اسلامی کتبخانے

(عہد عباسیہ میں)

از

ڈاکٹر اولگا پنٹو

مترجمہ

قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی

اسلامی کتبخانوں پر اردو میں سب سے پہلے علامہ شبلی مرحوم و مغفور نے ایک مضمون تحریر فرمایا تھا جو اُنکے رسائل میں شامل ہے؛ اگرچہ یہ مضمون اپنے موضوع کے لحاظ سے نہایت محققانہ ہے مگر تفصیل اور تکمیل کا محتاج ہے۔ ہمارا ارادہ ایک مدت سے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھنے کا تھا جسکے لیے ہم نے متعدد قدیم وجدید کتابوں کا مطالعہ کرکے کافی مواد جمع کر لیا تھا۔ اسی اثناء میں اسی موضوع پر ایک مفصل مضمون حیدرآباد کے سہ ماہی انگریزی رسالہ اسلامک کلچر (بابت اپریل سنہ ۱۹۲۹ء) میں نظر سے گزرا۔ ہمارے خیال میں اسلامی کتبخانوں پر یہ پہلا مضمون ہے جو تحقیق اور جامعیت سے لکھا گیا ہے۔ اور اس لیے ہم نے اسکو اردو میں منتقل کرنا مناسب سمجھا۔ آیندہ ایک مستقل رسالہ میں اس موضوع کے تمام متعلقات مفصلاً معرض تحریر میں لائے جائیں گے۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امرا۔

یہ مضمون اصل اطالوی زبان میں ایک اطالوی خاتون مس اولگا پنٹو کی تحقیق کا نتیجہ ہے۔ خاتون موصوفہ روما کے مشہور مستشرق پروفیسر لیوی ڈیلا ویڈا LEVI Della Vida کی شاگرد ہے اور اس نے علوم عربیہ کی تحصیل کے ساتھ ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری (سند) حاصل کی ہے۔ مشہور جرمن مستشرق ڈاکٹر کرنیکو

نے، جو حال ہی میں مسلم یونیورسٹی (علیگڈھ) کی عربی پروفیسری کے لیے منتخب ہوئے ہیں، صاحبِ مضمون کی اجازت سے اس کو انگریزی کا جامہ پہنایا ہے۔

چونکہ اصل مآخذ ہمارے پیش نظر تھے، اس لیے حتی الامکان خاص خاص الفاظ کی رعایت کے ساتھ کہیں کہیں حسب ضرورت اصل عبارتیں بھی نقل کردی گئی ہیں، کہیں کوئی حاشیہ اپنی طرف سے لکھا ہے تو آخر میں نام کی تصریح کردی ہے، انگریزی مترجم کے ذیلی حواشی بھی نقل کیے گئے ہیں جن کے آخر میں حرف "ک" کی علامت دیدی ہے۔

اختر

بادی النظر میں یہ امر نہایت تعجب خیز معلوم ہوتا ہے [illegible] ں جیسی ایک بادیہ نشین، جاہل اور غیر متمدن قوم، جو ایک ایسے وسیع خطۂ ملک پر [illegible] ی جو کبھی دو بڑی سلطنتوں رومی (بزنطینی) اور ایرانی (ساسانی) کے زیر حکومت رہ چکا تھا، مختصر عرصہ میں اپنے اصلی موثرات کو ختم کرکے اپنے تمدن پر ایک عاقلانہ، روایاتی اور زبردست "کتابی تہذیب" کی خصوصیات کا نقش جما دے۔ اس غیر معمولی انقلاب کی وجہ یہ ہوئی، کہ اہل عرب نے، خصوصاً اپنے زمانۂ فتوحات کے وقت، اپنے غیر مکمل تمدنی ارتقاء کے باعث فی الفور ان تین قوموں: یونانی، ایرانی اور یہودی کے تمدنوں کے عناصر ترکیبی کو اپنے اندر جذب کرلیا، جن کو انھوں نے اخلاقی اور سیاسی حیثیت سے فتح کرلیا تھا۔ یہ تینوں قومیں اپنے مادی ارتقاء کے باعث اس قدر منتہائے عروج اور اوجِ کمال پر پہونچ گئی تھیں کہ عربی۔ اسلامی تمدن بھی اپنی مجموعی ترکیب میں ازمنہ وسطیٰ (MedAEvalism) کی تمام خصوصیات کا حامل نظر آتا ہے۔

مسلمانوں (عربوں) کے لیے اس بڑی کتاب "قرآن مجید" سے لیکر ہر کتاب ایک کائنات اپنے اندر رکھتی ہے، اور تمام اقوام قدیمہ سے بڑھ کر ہی اس کی اندرونی زندگی کے لیے ایک

لہ مستشرقین یورپ کے نزدیک "اسلامی تمدن" اگلے تمدنوں کے اثرات کا نتیجہ ہے اور بس۔ یہ نظریہ اس لیے قائم کیا جاتا ہے کہ قرآنی تعلیم اور اُسکے اثرات کا کہیں اقرار نہ کرنا پڑے۔ دیکھیے آگے چل کر وہ کس خوبصورتی سے ان اقوام مشرکہ کے تمدنوں کا وارث مسلمانوں کو بتاتی ہے، سچ ہے:

جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے!

اختر

ادبی سرچشمہ تھا۔ جس وقت یہ قوم تاریخ عالم کے پردہ پر نمودار ہوئی اس وقت پہلی صدی ہجری میں انکے خلیفہ حضرت عمر بن الخطاب کے حکم سے ایک وحشیانہ فعل یعنی اسکندریہ کے قدیم ترین کتبخانہ کو جلا دینے کا اتہام اس پر عائد کیا گیا۔ مگر یہ اتہام جو عرصہ ہوا ایک من گھڑت افسانہ ثابت کیا جا چکا ہے وہ اس جذبہ کے بالکل مخالف ہے جو عربوں سے بوقت فتوحات ظاہر ہوا اور جو زبردستی تبدیل مذہب یا تخریب و تدمیر کا جذبہ نہ تھا بلکہ اعلیٰ ترین تمدنوں (جن سے انکو سابقہ پڑا) کی تنظیم و تکریم کا تھا، جنکے روحانی ورثہ کے ایک بہت بڑے حصہ کو انھوں نے استعمال کیا۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کتبخانوں کا تو کیا بلکہ عربی کتابوں کا ذکر تک نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن تقریباً ایک صدی کے بعد دار الحکومت بغداد میں سب سے پہلے ہم ایک کتبخانۂ عامہ کا قیام دیکھتے ہیں۔

اہل عرب کتابوں کا ذکر نہایت محبت اور ادب سے کرتے ہیں گویا وہ انکے نہایت عزیز اور وفادار دوست ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے:

نِعمَ الانیسُ اِذا خلوتَ کتابُ
تلهو به اِن خانکَ الاحبابُ
لا مفشیاً سراً اِذا استودعتهٗ
وتفادُ منه حکمةٌ وصوابُ[1]

جبکہ تم تنہائی میں ہوتے ہو تو کتاب تمہارا بہترین مونس ہے
اگر دوستوں نے تم سے ملنا جلنا ترک کردیا ہو تو اسوقت یہ تمہیں بہلاتی ہے
اگر کوئی راز کی بات اسکے سپرد کردو گے تو وہ کسی سے ظاہر نہ کرے گی
اور اس سے تمہیں عقلمندی اور راستی حاصل ہوگی۔

ایک اور شخص کہتا ہے:

اِنَّ الکتابَ هو الجلیسُ الذی لا ینافقُ
ولا یملُّ ولا یعاتبکَ اذ جفوته ولا یفشی
سرک[2]

کتاب ایک ایسا جلیس ہے جو کبھی ساتھ نہیں چھوڑ سکتا
اور اگر تم اس سے سختی کا برتاؤ کرو تو وہ خفا اور
ناراض نہیں ہوتا۔ نہ وہ تمہارا راز فاش کرتا ہے۔

عہد عباسیہ کا مشہور شاعر متنبی کہتا ہے:

اعز مکان فی الدنیا سرج سابح — وخیر جلیس فی الزمان کتاب[3]

دنیا میں معزز جگہ گھوڑے کا "زین" ہے — اور ہمیشہ بہترین ہمدم "کتاب" ہے

[1] عقد الفرید لابن عبد ربہ جلد اول صفحہ ۱۹۹ (طبع بولاق ۱۲۹۳ھ) [2] کتاب الفخری لابن الطقطقی صفحہ ۳ (مطبوعہ یورپ) [3] دیوان المتنبی (طبع دیتریسی برلن ۱۸۶۱ء) (صفحہ ۶۸۴)

کبھی تو وہ اسلحہ کے برابر سمجھی گئی ہیں۔ چنانچہ المہلبی اپنے بیٹے سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

یا بُنی اذا وقفتم فی الاسواق فلا تقفوا الا علیٰ من یبیع السلاح او یبیع الکتب[1]

اے بیٹے! جب تم بازار میں کہیں ٹھہرو تو صرف انھیں دکانوں پر ٹھہرو جہاں اسلحہ اور کتابیں فروخت ہوتی ہوں

ان کے ہاں کتابوں سے متعلق ہر چیز کو حیرت انگیز ترقی ہوتی رہی۔ چنانچہ کتابوں کی نقلیں کی جاتی تھیں، اور انکی اعلیٰ درجہ کی جلد بندی کیجاتی تھی۔ ساتھ ہی نہایت احتیاط کے ساتھ انکی حفاظت کی جاتی تھی اور یہ کتابیں دوسروں کو بھی دی جاتی تھیں۔ اسلامی تہذیب کا گویا یہ ایک خاص مقصد اور اہم مشغلہ تھا۔ اسکے ساتھ ہی ساتھ خطاطی کا فن بھی معرض وجود میں آیا جس نے بنو مقلہ اور ابن البواب جیسے بہترین آرٹسٹ (ماہرین فن) پیدا کیے۔ ان خطاطوں میں مشہور علماء اور مصنفین بھی تھے۔ مثلاً جوہری مصنف صحاح، مشہور محدث ابن جوزی، اور مشہور مفتی عبدالمومن اصفہانی۔ ان مشہور خطاطوں نے نہ صرف کتابیں ہی نقل کرنے پر اکتفا کیا بلکہ اس طرح تصویر کشی کا فن بھی پیدا کیا۔ ابتدا میں یہ فن صرف نباتات اور پھولوں کی تصاویر تک محدود رہا، مگر تھوڑے ہی عرصہ میں جاندار چیزوں کی تصاویر بھی شروع ہوگئیں۔ یہ صناع اس فن میں بھی مہارت اور کمال دکھانے لگے۔

کتابوں کی جلد بندی کا فن بھی نظرانداز نہیں کیا گیا۔ چنانچہ عربی تاریخوں میں قیمتی چمڑے کی بندھی ہوئی[2]، مختلف الالوان[3]، مطلا و مذہب کتابوں کا اکثر ذکر آتا ہے[5]۔

فن کاغذ سازی کے رواج سے کتابوں کی ترقی میں اضافہ ہوا کیونکہ کم قیمت ہونے کی وجہ سے ان کو عوام کی دسترس کے قابل بنا دیا[4]۔ چوتھی صدی (دسویں مسیحی) میں کتابیں قافیر Pupyrus اور رق (Parchment) پر لکھی جاتی تھیں، جسکی وجہ سے

١ـه الفخری صفحہ ۳۔

٢ـه صلۃ تاریخ طبری لعریب القرطبی صفحہ ۹۰ (لیڈن ۱۸۹۷ء)

٣ـه ابن خلکان (بولاق ۱۲۷۵ ہجری) جلد اول صفحہ ۲۷۰۔ طبع یورپ نمبر ۶۵۹۔

٤ـه قدیم ترین عربی کتاب جو کاغذ پر لکھی ہوئی ہے وہ ابو عبید کی کتاب غریب الحدیث ہے جسکا قلمی نسخہ لیڈن کے کتبخانہ میں ہے اور ۲۵۲ھ کا لکھا ہوا ہے۔ (ک)

٥ـه مقریزی (بولاق ۱۲۷۰ھ) جلد اول صفحہ ۴۰۸

کتابوں کی قیمت بہت گراں ہوتی تھی۔ کاغذ سازی کا فن اسلامی دنیا میں براہ سمرقند چین سے آیا تھا، جس کو فوری ترقی ہوئی اور وسیع مملکت اسلام میں کاغذ کے کارخانے بہت بڑے پیمانے پر قائم ہو گئے تھے۔ سب سے پہلے مصر میں بردی[1] Flax کی بہت وسیع کاشت کی گئی تھی جس کی وجہ سے وہاں اکثر کارخانے کاغذ سازی کے قائم ہو گئے۔ یہاں عربوں نے ریشم کے بجائے چیتھڑوں سے کاغذ بنانا شروع کیا۔ پانچویں صدی ہجری (گیارھویں مسیحی) سے تمام یورپ میں اسلامی دنیا سے کاغذ جاتا تھا۔ یعنی مشرق میں بغداد اور قاہرہ کے کارخانوں سے اور مغرب میں اس صنعت کے مرکز شہر شاطبہ سے، جسے آج کل xativa کہتے ہیں۔

کاغذ کے رواج، قیمتوں کی ارزانی، اور تجارت کتب کی کثرت کی وجہ سے ہر اسلامی شہر میں کتابوں کی منڈیاں قائم ہو گئی تھیں۔ جو نہایت اہم سمجھی جاتی تھیں۔ کیونکہ وہ طلبہ اور اہل علم کا مرکز اجتماع تھیں۔ جہاں وہ کتابوں کی تلاش و جستجو اور ان کی قیمتوں پر بحث کیا کرتے تھے۔

تیسری صدی ہجری میں بغداد میں ایک سو کتب فروشوں کی دکانیں تھیں۔ یہ دکانیں چھوٹی چھوٹی، ایک دوسری سے متصل اور عموماً کسی مسجد کے قرب و جوار میں واقع ہوتی تھیں۔ لکڑی کی چوکیوں پر فروخت کے لیے رکھی ہوئی کتابوں کی پشت پر ایک چٹ لگا دی جاتی تھی تاکہ خریدار یا کتب فروش کو کتاب کا نام معلوم کرنے میں آسانی ہو۔ یہ چٹیں یا تو خود کتب فروش یا اُنکے مددگار کارکن کتابوں پر لگا دیتے تھے۔ یہ کتابیں خانگی طور پر یا نیلام سے فروخت کی جاتی تھیں کہ یہی طریقہ تمام اسلامی دنیا میں کتب فروشی کا رائج تھا۔ بعض اوقات ان دکانوں کے مالک مشہور نامور اور فضلاء ہوا کرتے تھے۔ شاعر الخطیری[2] (م ۵۶۹ھ ۱۱۷۳ء) اپنے پیشے کی وجہ سے دلال الکتب کے نام سے مشہور تھا، یعنی کتابوں کا ایجنٹ۔ اصمعی کا

---

[1] یہ ائی نباتات کی قسم سے ایک پودا ہوتا ہے۔ اسی کو اہل عرب فافیر بھی کہتے ہیں۔ یہ مصر قدیم میں وادی نیل اور مصر سفلے میں بکثرت پیدا ہوتی تھی۔ آج کل نواحی فلسطین میں ہوتی ہے۔ اس کی ڈالیوں کو ایک ہاتھ کے برابر لمبی ہوتی تھیں، چھلکا اُتار کر خوب کوٹتے تھے اور اس کو پتلا کر کے ایک اور تہ چڑھا کر کاغذ کی طرح بنا لیتے تھے۔ اسی کو قرطاس مصری یا پاپیروس کہتے ہیں۔ اختر

[2] ابن خلکان جلد اول صفحہ ۲۸۶ (طبع یورپ نمبر ۲۵۸)

شاگرد رشید ابو حاتم سہل بن محمد السجستانی[1] اور مشہور مورخ و جغرافی یاقوت[2] (م ۶۲۶ھ / ۱۲۲۹ء) کتب فروش تھے۔

کتابوں کی قیمت اگرچہ کاغذ سازی کے رواج اور اسکے استعمال سے بہت ارزاں ہو چلی تھی تاہم وہ ہمیشہ بہت گراں تھی۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے، جو خود اپنا ذاتی کتبخانہ قائم نہ کر سکتے تھے، عام کتبخانوں کی کس قدر ضرورت تھی۔

پانچویں صدی (گیارہویں) میں جمہرۂ ابن دُرَید کا ایک نسخہ ساٹھ دینار پر بکا[3]۔ (ایک دینار دس شلنگ کے برابر ہے۔ تقریباً سات روپئے) طبری کی ضخیم تاریخ کا نسخہ سو دینار پر فروخت ہوا۔ اموی شاعر جریر کا دیوان دس دینار پر بکا[5] ۲۸۶ھ / ۸۹۲ء میں خلیل ابن احمد کی کتاب العین کا ایک نسخہ پچاس دینار پر خریدا گیا[6] اسکندرنامہ فردوسی کی کتاب الاکبر کی شرح کے عربی ترجمہ کا ایک نسخہ سو دینار پر بکا[7] اور خلیفہ الحکم والی قرطبہ نے اشعار و روایات عرب کے ادبی مجموعہ کتاب الاغانی کے مصنف کو اس کتاب کی تصنیف پر ایک ہزار دینار عطا کیے[8]۔ ساتویں صدی ہجری (تیرہویں عیسوی) میں کتابوں کی قیمت میں تخفیف ہو چلی تھی۔ یاقوت حموی مرو کے کتبخانہ الضمیریہ سے کتابیں مستعار لینے کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہے:۔

لا یفارق منزلی منہا مائتا مجلد و اکثرہ بغیر رہن تکون قیمتہا مائتی دینار[9]

میرا مکان (فرودگاہ) دو سو کتابوں سے کبھی خالی نہ رہتا تھا اور ان میں ۲۰۰ دینار کی قیمت تک کی اکثر کتابیں بغیر رہن کے ہوتی تھیں (یعنی انکے لیے کوئی رقم امانتاً نہیں رکھنی پڑتی تھی۔)

[1] ابن خلکان جلد اول صفحہ ۳۰۵ (طبع یورپ ۲۸۱)
[2] " " جلد دوم صفحہ ۳۰۲ (" " ۸۰۰)

[3] یعنی تقریباً ۳۰ پونڈ۔ ابن خلکان جلد اول صفحہ ۴۷۹ (طبع یورپ نمبر ۷۴۹) [4] مقریزی جلد اول صفحہ ۴۰۸ [5] ابن خلکان۔ جلد دوم۔ صفحہ ۵۲۲ (نمبر ۳۵۴) [6] کتاب الفہرست صفحہ ۴۲ (طبع فلوجل) [7] عیون الانباء لابن ابی اصیبعہ جلد اول صفحہ ۶۹-۷۰ [8] تاریخ ابن خلدون، جلد چہارم صفحہ ۱۴۶ (بولاق ۱۲۸۴ھ)؛ نفح الطیب للمقری جلد اول صفحہ ۱۸۰ (قاہرہ ۱۳۰۲ھ) (یہ کتاب کی قیمت نہیں کہی جا سکتی، کیونکہ الحکم نے صاحب آغانی کو یہ رقم بطور شاہی انعام کے بھیجی تھی۔ ک) [9] معجم البلدان یاقوت جلد ۴ صفحہ ۵۰۹-۵۱۰ (طبع وستنفیلڈ) یاقوت کے الفاظ صریح نہیں ہیں۔ تاہم یہ سمجھنا مناسب و معقول ہوگا کہ ان سب مستعار کتابوں کی قیمت دو سو دینار تھی۔ یعنی دس شلنگ فی کتاب۔ اس زمانہ میں کتابیں بہت ارزاں ہونگی۔ لیکن یہ کتابوں کے حجم پر منحصر ہے۔ ک) ہمارے خیال میں مولف اور مترجم دونوں یاقوت کا مطلب نہیں سمجھے۔ یعنی ان کتابوں میں سے اکثر ۲۰۰ دینار تک کی کتابیں وہ بغیر رہن کے لے آتا تھا۔ اختر

اس مطلب سے فی کتاب ایک دینار لاگت آتی ہے۔

کتابوں کی گراں قیمت کے باوجود اسلامی دنیا میں کئی کتابوں کے متوالے ایسے تھے جنھوں نے کتب خانے جاری کر رکھے تھے۔ ان میں سے تیسری صدی میں مشہور مصنف جاحظ فتح ابن خاقان، خلیفہ المتوکل کا ندیم اور قاضی اسمٰعیل بن اسحاق تھے۔

جاحظ (المتوفی ۲۵۵ھ / ۸۶۹ء) علاوہ اُن کتابوں کو پڑھنے اور مطالعہ کرنے کے جنکو وہ خرید سکتا تھا، وہ کتب فروشوں اور دلالوں سے روپیہ امانت رکھ کر کتابیں لاتا تھا، اور اُنکو اول سے آخر تک بالاستیعاب مطالعہ کرتا تھا۔ آخر کار بطور ایک سچے "عاشق کتب" کے انھیں کتابوں کی وجہ سے موت کا شکار ہوا۔ اس کی عادت یہ تھی کہ وہ اپنے گرد ضروری کتابیں دیوار کی طرح چن دیا کرتا تھا۔ چنانچہ آخر عمر میں جبکہ فالج نے اسکے آدھے جسم کو بیکار کر دیا تھا، وہ مطالعہ میں مشغول تھا کہ یکایک وہ کتابیں اُس پر گر پڑیں۔ اور اس طرح وہ غریب انکے نیچے دب کر جاں بحق تسلیم ہوگیا!

ایک اور صاحب اسمٰعیل بن اسحاق (المتوفی ۲۸۲ھ / ۸۹۵ء) تھے جو اپنا تمام وقت کتابوں ہی کے پیچھے صرف کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ انکے ایک معاصر کا بیان ہے کہ جب کبھی اُن سے ملنے گئے تو کوئی نہ کوئی کتاب اُنکے ہاتھ میں ہوتی تھی۔[1]

فتح ابن خاقان کے پاس، غالباً بغداد میں، ایک عظیم الشان کتب خانہ تھا، جسکو علی بن یحییٰ المنجم (م ۲۷۵ھ / ۸۸۸ء) نے ترتیب دیا تھا۔ کثرت تعداد اور خوبصورتی کے لحاظ سے یہ کتب خانہ بہت ہی عجیب و غریب تھا۔ یہ بصرہ اور کوفہ کے اعرابیوں اور وہاں کے اہل علم و فن کے لیے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ فتح ابن خاقان ہمیشہ ایک نہ ایک کتاب اپنے ساتھ لیا کرتا تھا جسکو یا تو وہ اپنی آستین میں یا چمڑے کے موزوں میں رکھ لیا کرتا تھا۔ اور جب کبھی موقع ملتا، وہ اُسکے مطالعہ میں مصروف ہو جاتا۔ جب کبھی اسکو خلیفہ سے علیحدہ ہونے کا موقع ملتا، خواہ بیت الخلاء میں ہی کیوں نہ ہو، تو وہ کتاب نکال کر اُسکا مطالعہ کرنے لگتا۔[2]

آستین میں کتاب رکھنے کی عادت ایک اور "کتاب زدہ" ابو داؤد مشہور صاحب سنن کو تھی۔ چنانچہ ضخیم کتاب کو آستین میں رکھنے کے لیے اُنھوں نے لمبی چوڑی آستین بنوا رکھی

[1] کتاب الفہرست۔ صفحہ ۱۱۶ - ۱۱۷ -

[2] ارشاد الاریب لیاقوت جلد ۶ صفحہ ۷۹ - ۸۰ -

تھی![51] اسی طرح علی بن یحییٰ المنجم المذکور نے نواحی بغداد میں قفص کے نزدیک موضع کرکار میں اپنے عظیم الشان قلعہ میں ایک عظیم الشان کتبخانہ خزانۃ الحکمۃ کے نام سے قائم کیا تھا۔ یاقوت کا بیان ہے کہ تمام ممالک سے لوگ مختلف علوم کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے لیے یہاں آتے تھے۔ یہاں تمام کتابیں طالبعلموں کی خواہش کے مطابق دیکھنے کو ملتی تھیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ علی بن یحییٰ کے خرچ سے انکی مہمان نوازی بھی کیجاتی تھی۔ یہ کتبخانہ تمام بلاد اسلامیہ میں مشہور تھا اور تمام شائقین علم و متلاشیان کتب کے لیے اس میں اس قدر کشش تھی کہ منجم ابومعشر (م ۲۷۲ھ) خراسان سے مکہ جاتے ہوئے اس کتبخانہ کی زیارت کا تہیہ کرلیا۔ چنانچہ وہاں پہونچ کر اسے اس قدر دلچسپی ہوئی کہ وہ مکہ جانا بھول گیا![52]

پانچویں صدی کے مورخ غرس النعمۃ نے (جو صابیوں کے مشہور اہل علم خاندان سے تھا) بغداد میں ایک مختصر کتبخانہ ۴۰۰ کتابوں کا قائم کیا تھا، جس میں صرف محدود طلبا کو داخلہ کی اجازت تھی۔ بعد کو جب مدرسہ نظامیہ کا زبردست کتبخانہ قائم ہوا، اور لوگ اس چھوٹے سے کتبخانے کو چھوڑ کر وہاں جانے لگے تو غرس النعمہ نے اپنا کتبخانہ فروخت کر دیا۔[53]

مصر کے خانگی کتبخانوں کی نسبت ہماری اطلاع بہت محدود ہے۔ اس ملک میں بڑے مرکزی شہر صرف چند ہی تھے۔ چنانچہ قاہرہ کے کتبخانہ کے ہوتے ہوئے، جو دنیا کا سب سے زبردست کتبخانۂ عام تھا، لوگوں کو اپنے پاس کتابیں رکھنے اور جمع کرنے کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی۔

مصر کے فاطمی خلیفہ العزیز باللہ (حکومت ۳۶۵ھ-۹۷۵ء تا ۳۸۶ھ-۹۹۶ء) کا کتبخانہ بالکل خانگی طرز کا تھا۔ جس کی ترتیب وتنظیم اس کے وزیر یعقوب ابن کلس نے کی تھی، جو خود بھی کتابوں کا بہت بڑا شائق تھا۔ خود اس کے ترکہ میں علاوہ اور خزانوں کے ایک قیمتی کتبخانہ بھی تھا۔[54] خلیفہ کا کتبخانہ جسکا مہتم ابوالحسن علی بن محمد الشابشتی تھا،[55] تعداد کتب کے لحاظ سے بہت وسیع تھا۔

---

۵۱ النجوم الزاہرہ (طبع یورپ) ج ۲ صفحہ ۷۹۔ ۵۲ ارشاد الاریب جلد ۵ صفحہ ۴۶۷ ۵۳ الوافی بالوفیات الصفدی (مخطوطہ متحف بریطانی ۵۳۲۰ ورق ۱۱۰ (صفدی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کتبخانے کے مہتم کی بنا بھی اس کے تنزل کی ذمہ دار ہے۔ دیکھو ہمارا مضمون خاندان صابی" پر، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں۔ ک)
۵۴ ابن خلکان جلد دوم صفحہ ۴۹۵؛ مقریزی جلد ۲ صفحہ ۲ ۵۵ ابن خلکان جلد اول صفحہ ۴۸۱ انمبر ۴۵۶ وستنفیلڈ)

مثل ابو الفضل ابن العمید، صاحب ابن عباد، وغیرہ نے قائم کیے تھے۔ آخر الذکر (م ۳۸۵ھ / ۹۹۵ء) نے سامانی خاندان کے ایک فرماں روا کے عہدۂ وزارت کو قبول کرنے سے اس لیے انکار کر دیا کہ اس کا کتبخانہ ساتھ لے جانے میں اسے بڑی دقت ہوگی، جس میں صرف دینیات کی کتابیں چار سو اونٹوں کا بوجھ ہیں۔[1]

ابن العمید کی نسبت اسکے کتبخانے کا مہتمم مشہور مورخ ابن مسکویہ اپنی تاریخ میں تفصیل سے بیان کرتا ہے، کہ "اس وزیر کے مکان کو خراسان کے ڈاکوؤں نے اس قدر لوٹا تھا کہ پانی پینے کا ایک پیالہ اور بیٹھنے کو چٹائی تک باقی نہ رہنے دی۔ لیکن اُسے اسکی کچھ پروا نہ تھی۔ اُس کا دل تو اپنے کتبخانہ میں لگا ہوا تھا، کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ اس کا کیا حشر ہوا، جس سے بڑھ کر دنیا کی کوئی شے اُسے عزیز نہ تھی"۔ ابن مسکویہ لکھتا ہے کہ "ہر علم و فن اور فلسفہ و ادب کے ہر شعبے میں اسکے پاس سو اونٹوں کا بوجھ کتابیں تھیں۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کتبخانہ کی نسبت دریافت کیا، میں نے عرض کی، کتابیں سب کی سب بچ گئی ہیں اور ایک بھی گم نہیں ہوئی۔ اس پر اُس نے کہا: واقعی تم بڑے نیک شگون ہو! ہمیں ہر چیز مل سکتی ہے، مگر یہ کتابیں کہاں سے ملتیں؟ میں نے دیکھا کہ اُس کے چہرے پر بشاشت نمودار ہوگئی"۔[2]

سامانی خاندان کے فرماں روا، جو تیسری (نویں ع) صدی ہجری میں اسلامی سلطنت کے مشرقی حصہ پر حکمراں تھے، اُنھوں نے بھی اپنے درباروں میں تہذیب و تمدن کی نشو و نما میں بہت بڑا حصہ لیا۔ سلطان نوح بن نصر (حکومت ۳۶۶ھ/۹۷۶ء - ۳۸۷ھ/۹۹۷ء) کا ایک خانگی کتبخانہ تھا۔ ابن سینا نے، جسے اس کو دیکھنے اور پھر اس کا مہتمم بننے کا موقع ملا تھا، اس کی بہت تعریف کی ہے۔[3] اسکی طرف یہ غلط بات منسوب کیجاتی ہے کہ اس نے کتبخانہ میں آگ لگا دی۔[4]

عام کتبخانوں کی قلت کے باوجود اندلس میں خانگی اور ذاتی کتبخانے بیشمار تھے۔ جن کو نہ صرف امراء اور اہل دول نے بصرف زرکثیر جمع کیا تھا، بلکہ ان میں وہ غریب شائقین علم و فن بھی تھے جنھوں نے اپنی قلیل آمدنیوں کو کتابوں کی نذر کر دیا تھا۔ اس قسم کے کتبخانے بتدریج جمع ہوئے تھے، جیسا کہ وہاں کے ایک مدرس محمد بن حزم نے قرطبہ میں رفتہ رفتہ

[1] ارشاد الاریب لیاقوت جلد دوم صفحہ ۳۱۵ [2] تجارب الامم لابن مسکویہ طبع عکسی جلد ۶ ورق ۲۸۶۔
[3] تاریخ ادب العرب از نکلسن صفحہ ۲۶۵-۲۶۶۔ [4] کشف الظنون جلد ۳ صفحہ ۹۹ طبع فلوجل جرمنی۔

اس کے بعد پایہ تخت خلافت میں دیگر مرکزی شہروں میں اس قسم کے کتب خانے قائم ہونے لگے۔ جنھوں نے شہرت عام حاصل کی، اور غالباً یہی وجہ ہے کہ فرانس کے بادشاہ لوئی یازدہم کو، جبکہ وہ مشرقی ممالک میں تھا، پیرس میں ان کتبخانوں کی تقلید کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ اس قسم کا جو ذخیرۂ کتب اس نے جمع کرایا تھا وہ آگے چل کر ایک پبلک کتبخانہ بن گیا[1]۔

بغداد، شام اور عراق کے مرکزی شہروں کے بعد مصر نے، جو ایک بہت اہم تمدنی مرکز تھا، ان کا اتباع کیا، پھر مشرقی صوبجات نے جو اگرچہ مختلف چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہوگئے تھے، تاہم، یہاں عربی تہذیب کا ایک گہرا اثر موجود تھا۔ اور آخر میں عربی دنیا کی اس آخری شاخ اندلس نے انکی تقلید کی جہاں عربوں کے اور مفتوحہ ممالک کی طرح ان کی تہذیب نے بتدریج ایک حیرت انگیز ترقی حاصل کی، جو بہ نسبت اور ممالک کے بہت بڑھ چڑھ کر تھی۔

کچھ اس وجہ سے کہ آخری دور عباسی کے متعلق ہماری معلومات کے ماخذ بہت کم اور منتشر ہیں، اور زیادہ تر عربی تمدن کے تنزل اور اقوام جدیدہ مثل اہل عجم، ترکوں اور مغلوں کے عروج کی وجہ سے اگرچہ میں نے اپنی تحقیقات کو صرف اسلامی سلطنت کے زوال اور عہدِ عباسیہ کے اختتام تک محدود رکھنا مناسب سمجھا ہے، تاہم عہد حاضر کے کتبخانوں کی حالت اور ان کے ارتقاء پر بھی میں ایک مختصر تبصرہ کروں گی، تاکہ قدیم کتبخانوں کے ساتھ انکا موازنہ ہو سکے، اور انکی نئی حیثیات اور مشرقیات کے مطالعہ کے لیے ان کی اہمیت دکھاؤں گی۔

جیسا کہ میں خانگی کتبخانوں کی نسبت اوپر بتا چکی ہوں کہ ان میں سے اکثر کتبخانوں (مثل علی بن یحییٰ اور غرس النعمۃ وغیرہ کے) میں طلاب علوم کو داخلہ کی اجازت تھی، مگر ان کی عمومی حیثیت تو ان تین قسم کے بڑے کتبخانوں کی وجہ سے ظہور میں آئی، جو رفتہ رفتہ ترقی کرتی رہی۔

(۱) سلاطین کے کتبخانے جنھوں نے اپنے کافی وسائل کے ذریعہ کتابوں کے بڑے ذخیرے جمع کیے اور انکو عوام کی دسترس کے قابل بنایا۔

(۲) مسجدوں کے کتب خانے،

[1] Lalanne. Curiosities. P. 160, 161 (Paris 1881)

الكتب ما لا يحصى كثرة ولا يقوم عليه نفاسة ولم
تزل على ذلك الى ان دهمت التتار بغداد
فذهبت الكتب فيما ذهب وذهبت معالمها
وعفت آثارها۔ والثانية خزانة الفاطميين
بمصر وكانت من اعظم الخزائن واكثرها جمعا
للكتب النفيسة من جميع العلوم ولم تزل على
ذلك الى ان انقرضت دولتهم بموت العاضد
آخر خلفائهم واستيلاء السلطان صلاح الدين
على المملكة بعدهم * * * * * * *
والثالثة خزانة خلفاء بنی امية بالاندلس وكانت
من اجل خزائن الكتب ايضا ولم تزل على
ذلك الى انقراض دولتهم باستيلاء ملوك
الطوائف على الاندلس فذهبت كتبها كل مذهب
اما الآن فقد قلت عناية الملوك بخزائن الكتب
اكتفاء بخزائن المدارس التي ابتنوها من حيث
انها بذلك اسس۔[2]"

جس میں بے شمار نفیس کتابیں موجود تھیں۔ تاتاریوں نے
جب بغداد کو تاخت وتاراج کیا تو یہ کتابیں بھی برباد ہو گئیں
اور ان کا نام و نشان مٹ گیا۔[1]

(۲) مصر میں خلفاء فاطمیہ کا کتب خانہ جو (بیش بہا
اور) نفیس کتابوں کی وجہ سے تمام کتبخانوں سے بڑھ چڑھ
کر تھا۔ انکے آخری خلیفۃ العاضد کی وفات کے بعد
یعنی دولت فاطمیہ کے انقراض تک یہ کتب خانہ موجود
تھا۔ جبکہ سلطان صلاح الدین مملکت مصر پر قابض
ہو گیا تھا

(۳) اندلس میں خلفاء بنی اُمیہ کا کتبخانہ جو عظیم الشان
کتب خانوں میں سے تھا۔ اندلس میں ملوک الطوائف
کے غالب آجانے سے انکی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ اسوقت تک
یہ کتبخانہ موجود تھا۔ اسوقت اسکی کتابیں ہر جگہ منتشر ہو گئیں اور
اس زمانہ میں تو سلاطین کی توجہ کتبخانوں کی طرف بہت کم ہو گئی ہے
کہ اب انکے قائم کردہ مدارس میں جو کتبخانے ہیں وہی کافی سمجھے جاتے
ہیں کیونکہ ان مدارس میں ان کتبخانوں کا ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

---

[1] ڈاکٹر پنٹو کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگرچہ زوال بغداد کے وقت اکثر کتابیں برباد ہو گئیں، تاہم مدرسہ مستنصریہ
کا کتبخانہ ایک صدی بعد تک موجود تھا۔ میں نے ابن الفوطی کے تذکرہ (مطبوعہ مجلہ "لغۃ العرب"
بغداد۔ جلد ۶۔ صفحہ ۶۴۷ - ۶۴۹) میں لکھا ہے کہ وہ کئی برسوں تک اس کتب خانہ کا مہتمم رہا
تھا۔ اس تذکرہ میں میں نے اس وسیع کتب خانہ کا بھی ذکر کیا ہے جو نصیر الدین طوسی نے تبریز
کے قریب شہر مراغہ میں قائم کیا تھا۔ ک۔

کرنکو صاحب کا پنٹو پر اعتراض کرنا بیجا ہے، اس لیے کہ یہ قول قلقشندی کا ہے۔ جسکے
لیے وہ ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔ اختر

[2] صبح الاعشیٰ جلد اول صفحہ ۴۶۶۔

ذیل میں میں نے اُن تمام کتب خانوں کی ایک فہرست تیار کی ہے جو عہد عباسیہ میں بلادِ اسلامیہ میں موجود تھے، اور جن کا مجھے پتہ مل سکا ہے۔ بعض ماخذوں میں تو صرف ان کتب خانوں کا سرسری نام ذکر آیا ہے۔ اور بعض میں اُن کے تمام استفادہ، اور انتظام کا مفصل تذکرہ ہے۔

بغداد

(۱) کتب خانہ "دار العلم" یا "بیت الحکمۃ" جسے خلیفہ ہارون الرشید[1] (۱۷۰ھ - ۱۹۳ھ / ۷۸۶ء - ۸۰۹ء) یا اُسکے جانشین مامون[2] (۱۹۸ھ - ۲۱۸ھ / ۸۱۳ء - ۸۳۳ء) نے قائم کیا تھا۔ یہ کتب خانہ خلیفہ المعتصم (۲۱۸ھ / ۸۳۳ء) کے زمانہ تک موجود[3] تھا۔

(۲) کتب خانہ جو ایک "دار العلم" سے وابستہ تھا جسے ۳۸۱ھ / ۹۹۱ء[4] میں یا ۳۸۳ھ / ۹۹۳ء[5] میں آلِ بویہ کے وزیر ابو نصر سابور بن اردشیر (۴۱۶ھ / ۱۰۲۵ء) نے کرخ بغداد کے محلہ بین السورین میں قائم کیا تھا۔ خوبصورتی اور وسعت[6] کے لحاظ سے کئی مصنفین نے اسکی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ اس میں ایک لاکھ کتابیں موجود تھیں، جن میں سے بعض مشہور خطاطوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں۔ یہ کتب خانہ اپنے بانی کی وفات کے بعد صرف تھوڑی مدت باقی رہا، کیونکہ جب ۴۴۷ھ / ۱۰۵۶ء میں طغرل بک سلجوقی نے بغداد کو فتح کیا تو اُسکی فوج کے سپاہیوں نے اس کتب خانہ کو خورد برد کر ڈالا۔ اور اُس میں آگ لگا دی۔ کچھ کتابیں اس دست برد سے محفوظ رکھی گئیں جو طغرل کے وزیر عمید الملک الکندری کے کتب خانہ میں داخل ہو گئیں[8]۔

(۳) مدرسہ نظامیہ کا کتب خانہ جسے نظام الملک وزیر سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے ۴۵۷ھ / ۱۰۶۴ء میں قائم کیا تھا[9]۔

---

۱ الفہرست صفحہ ۱۰۵ ۲ ایضاً صفحہ ۵ سطر ۱۵-۳۰ - صفحہ ۲۱ - ۱۳۰ - اور ۲۴۴

۳ ابن خلکان جلد اول صفحہ ۴۰۵ (وس ۱۵۱) ۴ صفدی ورق ۲۶ -

۵ کامل ابن اثیر جلد ۹ - صفحہ ۱۷ ۶ کامل - جلد ۹ صفحہ ۲۴۶ - صفدی ۲۶ -

معجم البلدان یاقوت جلد ۱ صفحہ ۷۹۹ ۷ ابن اثیر - ۹ صفحہ ۲۴۶ - بنداری تاریخ آل سلجوق صفحہ ۱۸

صفدی ۲۶ - یاقوت ۱ - صفحہ ۷۹۹ ۸ ابن اثیر ۹ - صفحہ ۲۳۶ - بنداری صفحہ ۱۸ -

۹ صفدی - ورق ۱۱۰ -

(۴) مدرسہ مستنصریہ کا کتبخانہ جسے خلیفہ المستنصر باللہ عباسی (۶۲۳ھ/۱۲۲۶ء - ۶۴۱ھ/۱۲۴۲ء) نے ۶۳۱ھ/۱۲۳۳ء میں قائم کیا تھا[1]

ان کتبخانوں کے علاوہ اس زمانہ (تیرہویں صدی عیسوی) میں کل چھتیس کتبخانے تھے[2] جو غالباً ہلاکو کے داخلۂ بغداد کے وقت تاتاریوں کے تاخت و تاراج میں برباد ہو گئے[3]

موصل

(۵) کتبخانۂ دار العلم جسے مشہور فاضل اور شاعر ابن حمدون نے ۳۲۳ھ/۹۳۵ء میں قائم کیا تھا[4]

بصرہ

(۶) و (۷) : دو کتبخانے : ایک ابن السوار نامی کسی شخص نے عوام کے لیے قائم کیا تھا[5] اور دوسرا وہ کتبخانہ تھا، جس کا ذکر حریری صاحب مقامات نے کیا ہے[6]۔ یہ دونوں کتبخانے ۴۸۳ھ/۱۰۹۰ء میں بدویوں کے حملۂ بصرہ کے وقت جلا دیے گئے تھے[7]۔

رامہرمز

(۸) ابن السوار مذکور کا قائم کردہ کتب خانہ[8]۔

حلب

(۹) بنو حمدان کا قائم کیا ہوا کتبخانہ جو چوتھی (دسویں) صدی میں حلب پر حکمراں تھے[9]۔

۱ھ تاریخ ابو الفداء جلد ۳ صفحہ ۱۹۷، نزہۃ القلوب للقزوینی (گب میموریل) صفحہ ۴۲

۲ھ رینا وو کا مقدمۂ جغرافیہ ابو الفداء مطبوعہ پیرس ۱۸۴۸ء صفحہ ۱۴۰۔

۳ھ صبح الاعشیٰ للقلقشندی جلد اول صفحہ ۴۶۶۔

۴ھ ارشاد الاریب لیاقوت جلد ۲ صفحہ ۴۲۰۔

۵ھ احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم للمقدسی صفحہ ۴۱۳ (سلسلۂ کتب جغرافیہ مطبوعہ یورپ جلد ۳)

۶ھ مقامات حریری طبع پیرس (۱۸۴۷ء) صفحہ ۲۶-۲۷ جلد اول ۷ھ ابن الاثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۲۲۔

۸ھ مقدسی بشرح صدر ۹ھ تاریخ ابن العدیم مخطوطہ پیرس صفحہ ۵۶ - رسائل ابی العلا المعری مرتبۂ مرگلیوث (مقدمہ صفحہ ۱۶)

مَرْو

یہاں دس کتبخانے تھے جن میں سے دو یہ ہیں:-

(۱۵) کتبخانۂ نظامیہ، بناکردۂ وزیر نظام الملک[1]۔

(۱۶) کتبخانۂ عزیزیہ، جسے چھٹی (۱۲ویں) صدی میں عزیز الدین حاجب نے قائم کیا تھا[2]۔

نیشاپور

(۱۷) ۵۴۸ھ/۱۱۵۳ء میں غز ترکوں کے ہاتھ سے یہاں کے کتبخانوں کے جلائے جانے کا ذکر یاقوت نے کیا ہے[3]۔

(۱۸) وہ کتبخانے جو ۴۲۰ھ/۱۰۲۹ء میں سلطان محمود غزنوی فتح نیشاپور کے وقت غزنی لیگیا تھا[4]۔

(۱۹) آل بویہ کے تاجدار عضد الدولہ (۳۶۷ھ/۹۷۷ء - ۳۷۲ھ/۹۸۲ء) کا کتبخانہ[5]۔ اُسکے بعد جانشین بیٹے بہاء الدولہ نے پھر اس کتبخانہ کی شدھ بدھ نہیں لی[6]۔

اندلس

قُرطبہ

(۲۰) کتبخانۂ خلیفہ الحکم المستنصر (۳۵۰ھ/۹۶۱ء - ۳۶۵ھ/۹۷۶ء) ۔ اسکے بیٹے ہشام (۳۶۵ھ/۹۷۶ء - ۳۹۶ھ/۱۰۰۶ء) کے وزیر معروف بہ الواضح نے (جو منصور محمد بن ابی عامر کا پروردہ تھا) اس کتبخانہ میں فلسفہ و حکمت کی جتنی کتابیں تھیں ان سب کو جلا دیا[7]۔ ان کتابوں کا کچھ حصہ حملۂ بربرہ (پانچویں یا گیارہویں صدی) کے وقت فروخت ہوا اور بقیہ حصہ فاتحین کی غنیمت کی نذر ہوا[8]۔

مغرب

فاس (FEZ)

(۲۱) مدرسۃ الصفارین کا کتبخانہ جسے مرینی سلطان یعقوب بن عبد الحق (۶۵۹ھ/۱۲۶۰ء

---

[1] معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۵۰۹ [2] ایضاً [3] ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۰ [4] ارشاد الاریب لیاقوت جلد ۲ صفحہ ۳۱۵ [5] احسن التقاسیم للمقدسی صفحہ ۴۴۹ [6] ارشاد۔ جلد ۵ صفحہ ۳۴۶-۳۴۷

[7] ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۱۴۶ - نفح الطیب للمقری جلد اول صفحہ ۱۸۰ (طبع لیڈن جلد اول صفحہ ۲۴۹)

[8] طبقات الامم لابن صاعد (بیروت) صفحہ ۶۶-۶۵ - بیان المغرب لابن العذاری جلد ۲ صفحہ ۲۱۳-۲۱۵

[9] ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۱۴۶ - نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ... (جلد ۱ صفحہ ۲۵۰ طبع لیڈن)

(۶۳۳ھ / ۱۲۳۶ء) نے فتح کیا تھا۔ اس میں تمام تر وہ کتابیں جمع تھیں جو سلطان موصوف نے اسپین کے مغلوب بادشاہ سانچو (Sancho) کے پاس سے طلب کی تھیں[1]۔

سلاطین اسلام ان مکانات کی بڑی حفاظت کرتے تھے جو عام کتب خانوں کے لیے مخصوص ہوتے تھے۔ ان میں سے بعض مثلاً شیراز، قرطبہ، اور قاہرہ میں ان کتب خانوں کے لیے علٰحدہ عمارتیں تعمیر کرائی گئی تھیں، جن میں مختلف کاموں کے لیے متعدد کمرے ہوتے تھے۔ مثلاً گیلریاں جن میں کتابوں کی الماریاں رکھی جاتی تھیں، اور وہ کمرے جہاں شائقین کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ بعض کمرے اُن کاتبوں کے لیے مخصوص تھے جو کتابوں کی نقلیں کیا کرتے تھے۔ اور وہ کمرے جو "مجالس علمیہ" کے کام آتے تھے[2] کہیں کہیں موسیقی اور غنا وغیرہ کیلئے بھی علٰحدہ کمرے ہوا کرتے تھے[3]۔ یہ تمام کمرے نہایت آراستہ و پیراستہ ہوتے تھے، جن میں قالین، چٹائیاں، وغیرہ بچھی ہوئی رہتی تھیں۔ اور جن پر شائقین مشرقی طرز سے چار زانو بیٹھ کر کاغذ یا رق (پارچمنٹ) اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے لکھنے پڑھنے میں مشغول رہتے تھے۔ کھڑکیوں اور دروازوں پر چلمنیں اور پردے پڑے ہوتے تھے، اور صدر دروازہ میں خاص طور پر ایک بھاری پردہ لگا رہتا تھا، تاکہ سرد ہوا اندر نہ داخل ہو سکے[4]۔

مسلمان مورخین نے ان میں سے بعض کتب خانوں کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ گویا وہ ان کتب خانوں کی خوبصورتی اور انکی قیمتی اشیاء کے تذکرہ سے بہت محظوظ ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر کتب خانہ قاہرہ کی نسبت مقریزی کا بیان ملاحظہ ہو: -

وفی یوم السبت ہذا یعنی العاشر من جمادی الآخرۃ سنۃ خمس وتسعین وثلثمائۃ فتحت الدار الملقبۃ بدار الحکمۃ بالقاہرہ وجلس فیہا الفقہاء وحملت الکتب الیہا من خزائن القصور المعمورۃ ودخل الناس الیہا ونسخ کل من التمس نسخ

اس ہفتہ کے دن یعنی ۱۰ جمادی الآخر ۳۹۵ھ کو قاہرہ میں دار الحکمۃ کی عمارت کا افتتاح ہوا۔ اس میں علماء و فقہاء جمع ہوئے۔ محلات شاہی کے معمور خزانوں میں سے کتابیں لا لا کر اس میں رکھی گئی تھیں۔ لوگ اس میں داخل ہوتے تھے اور جس چیز کی نقل چاہتے

---

[1] روض القرطاس طبع تورنبرگ صفحہ ۱۸۔ [2] مقامات حریری۔ جلد ۱۔ صفحہ ۲۷-۲۶۔
[3] سقط الزند مصری - جلد ۲ صفحہ ۷۔ طبع قاہرہ ۱۳۰۳ھ۔ ج ۲۔ صفحہ ۵۰۔ طبع یورپ [illegible]
[4] مقدسی صفحہ ۴۴۹، مقریزی جلد ۲ صفحہ ۴۵۹۔

شئ مما فیها الا التمسه وكذلك من رای قراءة شئ
مما فیها، جلس فیها القراء والمنجمون واصحاب النحو
واللغة والاطباء وبعدان فرشت هذه الدار و
زخرفت وعلقت علی جمیع ابوابها وممراتها الستور
واقیم قوام وخدام وفراشون وغیرهم وسموا
بخدمتها وحصل فی هذه الدار من خزائن امیر المؤمنین
الحاکم بامر الله من الکتب التی امر بحملها الیها
من سائر العلوم والآداب والخطوط المنسوبة
مالم یر مثله مجتمعاً لاحد قط من الملوك واباح
ذلك كله لسائر الناس على طبقاتهم ممن یؤثر
قراءة الکتب والنظر فیها۔"

کر لیتے تھے۔ اسی طرح اس میں سے کوئی کتاب پڑھنا
چاہتے تو مل سکتی تھی۔ قاری، منجم، نحوی علماء
لغت، اور اطباء وہاں بیٹھا کرتے تھے۔ اس مکان
میں فرش بچھائے گئے تھے اور سامان آرائش زنجیروں
سے اس کو سنوارا گیا تھا۔ اسکے تمام دروازوں
اور گزرگاہوں پر پردے لگے ہوئے تھے۔ متنظمین فراشوں
اور خادموں کو خاص اس کتبخانہ کی خدمت کے لیے
مقرر کیا گیا تھا۔ امیر المومنین الحاکم بامر اللہ کے خزانوں
میں سے یہ کتابیں لائی گئی تھیں جن میں تمام علوم
کی ادبیات اور خطوط منسوبہ میں لکھی ہوئی نہایت خوشخط
کتابیں تھیں۔ آج تک کسی بادشاہ کے پاس اتنی کتابیں
یکجا نہیں دیکھی گئیں۔ الحاکم نے بلا امتیاز ادنیٰ و اعلیٰ
ہر ایک کو جو تحصیل علم اور مطالعہ کتب کرنا چاہتا اس
میں داخل ہونے کی اجازت دے رکھی تھی۔

مقدسی نے بھی شیراز کے بیش بہا کتبخانہ کا نہایت دلچسپ تذکرہ کیا ہے[۳]:۔

"عضد الدولہ نے شیراز میں ایک عالیشان محل تیار کرایا تھا جس کی نظیر مشرق اور مغرب
میں نہیں ہے۔ کوئی جاہل آدمی ایسا نہیں ہے جو اس میں داخل ہوا اور متحیر نہ ہوا ہو۔ اور کوئی
عالم ایسا نہیں ہے جو اس میں داخل ہوا اور اسکا مشام جاں بہشت کی خوشبوؤں اور فرحتوں
سے نہ بھر گیا ہو۔ اس (عضد الدولہ) نے محل کے اطراف میں پانی کی نہریں جاری کی تھیں۔
تمام عمارتیں گنبدوں کا تاج پہنے ہوئے تھیں اور اسکے اطراف میں باغیچے اور چمن لگے ہوئے
تھے۔ زمین کھود کر جھیلیں بنائی گئی تھیں اور ہر [illegible] کا عیش و آرام جو خیال میں آسکتا ہے وہاں

[۱] چونکہ یہ دار العلم کوئی دینی مجلس نہ تھی اسلیے اسکے کتبخانہ میں سائنس، فلسفہ اور علوم قدیمہ کی کتابیں بھی رکھی گئی تھیں
غالباً اسلام کے زبردست سائنٹسٹ ابن ہیثم کو ریاضیات، نجوم وغیرہ پر اہل یونان کی تصنیفات اس کتبخانہ سے دستیاب
ہوئی ہونگی اور قاہرہ میں آجانے کے بعد اس نے یہیں اپنا مطالعہ کتب جاری رکھا ہوگا (ک) [۲] مقریزی
جلد اول صفحہ ۴۵۸ [۳] احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم للمقدسی صفحہ ۴۴۹۔

مہیا کیا گیا تھا۔ میں نے نوکروں کو یہ کہتے سنا ہے کہ اس محل میں ۳۶۰ کمرے اور کئی مکانات تھے
چنانچہ عضد الدولہ سال بھر ہر روز ایک نئے کمرے میں بسر کرتا تھا۔ بعض کمرے نیچے تھے
اور بعض اوپر۔ اور کتبخانہ انکے علاوہ ایک علیحدہ کمرے میں ہے۔ اس پر ایک وکیل
(ناظر) خازن (لائبریرین) اور ثقات شہر میں سے ایک مشرف (نگران) مقرر ہے۔ کتابیں
الماریوں میں چنی ہوئی ہیں۔ یہ کتبخانہ ایک اونچے گنبد والے کمرے میں ہے جس سے متصل
بعض کمرے بطور گودام بنے ہوئے ہیں۔ ان کمروں کے ساتھ ہی بادشاہ نے قد آدم کے
برابر تین گز چوڑی لکڑی کی الماریاں بنوائی تھیں، جن میں نیچے سے اوپر تک خانے بنے
ہوئے ہیں، کتابیں ان میں چنی ہوئی ہیں۔ ہر فن کے لیے ایک علیحدہ الماری ہے۔ کتابوں
کی فہرستیں ہیں جن میں کتابوں کے نام درج ہیں۔ بجز اہل وجاہت کے کوئی اس میں داخل
نہیں ہو سکتا۔ خود میں نے اس کتبخانہ کا معائنہ کیا ہے۔ نیچے اور اوپر کے حصوں میں تمام
چیزیں اپنی اپنی جگہ پر قرینے سے رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے ہر کمرے میں دریاں اور پردے
ملاحظہ کیے۔ اور وہ ہوادار کمرہ بھی دیکھا جسکے ارد گرد پانی کے نل لگے ہوئے ہیں"

کتابوں کے لیے مخصوص کمروں میں دیوار سے لگی ہوئی الماریاں قد آدم سے زیادہ اونچی
نہیں ہوتی تھیں۔ اور اس لیے اوپر کے حصے میں سے کتابیں نکالنے کے لیے خطرناک سیڑھیاں
لگانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ ان تمام الماریوں میں ڈھکن لگے ہوئے تھے، جو بعض
دروازوں کی طرح کھلتے اور بعض اوپر سے نیچے کھینچ کر مقفل کر دیے جاتے تھے۔ ان مقفل الماریوں
میں اگرچہ کتابوں کی (فن وار) تقسیم کے لیے سہولت نہ تھی تاہم ان سے بڑا فائدہ یہ ہوتا تھا
کہ قیمتی اور خوبصورت مجلدات گرد و غبار اور دھوپ سے محفوظ رہتی تھیں۔ البتہ اس سے
ایک نقصان ضرور ہوتا تھا کہ ہوا نہ لگنے کی وجہ سے کتابوں کو دیمک چاٹ جاتی تھی[1]
الماریوں میں یہ کتابیں تو بر تو ایک انبار کی صورت میں رکھ دی جاتی تھیں جیسا کہ مقامات
حریری کے ایک قلمی نسخہ کی اُس تصویر سے معلوم ہوتا ہے جسکو بلوخت (Blochet)
نے شایع کیا ہے[2]۔ غالباً یہ موصل کے کسی عام کتبخانہ کی تصویر ہے جس میں اس کی ایک دیوار

[1] ارشاد الاریب جلد ۶ صفحہ ۲۵۹ - ۲۶۰
[2] Blochet, Les Enluminures Plate X

کا حصہ دکھایا گیا ہے۔
مصنف اور کتاب کا نام کتاب کی پشت پر لکھا جاتا تھا اور کتابوں کی ترتیب فن وار ہوتی تھی۔ مطلوبہ کتاب کو آسانی سے نکالنے کے لیے الماری کے ہر خانہ پر باہر کے حصہ میں کاغذ کا ایک پرچہ چپکاں کیا جاتا تھا۔ ان پرچوں میں ناقص اور مکمل کتابوں کا ذکر بھی ہوتا تھا۔
ان کتبخانوں میں کتابوں کی تعداد مختلف ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ سابور بن اردشیر کے کتبخانہ میں ایک لاکھ سے لیکر ایک لاکھ چالیس ہزار تک جلدیں تھیں۔ جن میں سے قرآن مجید کے ۱۰۰ خوشخط نسخے مشہور خاندان بنو مقلہ کے خطاطوں کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے[1]۔ طرابلس کے کتبخانہ میں کتابوں کی تعداد بقول ابن الفرات، تیس لاکھ تھی، جو مبالغہ آمیز معلوم ہوتی ہے ان میں سے پچاس ہزار نسخے قرآن مجید کے اور ۸۰ ہزار نسخے تفاسیر کے تھے[2]۔ قرطبہ کے کتبخانہ میں چار لاکھ کتابیں تھیں جن کو پرانے مکان سے نئے مکان میں منتقل کرنے کے لیے چھ مہینے کا عرصہ درکار ہوا[3]۔ خلفائے فاطمیہ مصر کے کتبخانہ کی کتابوں کی تعداد یقینی طور پر معلوم نہیں ہے کیونکہ اُن مختلف ماخذ میں جن کو مقریزی صاحب خطط مصر نے استعمال کیا ہے، ان کتابوں کی مجموعی تعداد کا بیان صاف طور پر نہیں ملتا۔ بلکہ اس کتبخانہ کے بعض بعض ٹکڑوں کی تعداد معلوم ہوتی ہے جو ادھر اُدھر تقسیم ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک ماخذ کتبخانہ العزیز کا ذکر کرتے ہوئے، جو بعد کو الحاکم کے کتبخانہ میں مل گیا تھا، لکھتا ہے کہ اس میں چالیس کمرے تھے اور ہر کمرے میں علوم قدیمہ[4] پر اٹھارہ ہزار کتابیں تھیں۔ یہاں خلیل بن احمد کے لغت کتاب العین کے تیس نسخے تھے اور مورخ طبری کی ضخیم اور نادر تاریخ کے بیس نسخے موجود تھے۔ اسی طرح جمہرۂ ابن دُرَید کے ایک سو نسخے تھے۔ علاوہ ازیں ۲۴۰۰ نسخے قرآن مجید کے تھے۔ ایک اور ماخذ (مصنف) کا بیان ہے کہ یہ کتبخانہ ایک ہی کمرہ تھا جس میں دو لاکھ مجلدات تھیں۔ مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ ایک کمرے میں اتنی کتابوں کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ ایک اور مصنف کہتا ہے کہ اس کتبخانہ میں ۱۶ لاکھ کتابیں تھیں، جن میں

---

[1] ابن الاثیر جلد ۱۰ صفحہ ۵، صفدی ورق ۲۷۔ [2] تاریخ ابن الفرات۔ جلد ۱۔ صفحہ ۳ مخطوطۂ ویانا۔ [3] مقری جلد اول صفحہ ۲۵۶ (صفحہ ۸۵-۱۸۴ طبع لیڈن) [4] "علوم قدیمہ" سے مراد اہل عرب کے نزدیک ریاضیات، نجوم، فلسفہ وغیرہ ہیں۔

سے ۱۲۰۰ نسخے[1] صرف تاریخ طبری کے تھے۔ اور آخر میں ایک مصنف اس تعداد کو ایک لاکھ بیس ہزار[2] میں محدود کر دیتا ہے۔ یہ تعداد ایک اور مورخ قلقشندی[3] کے بیان سے متفق ہے جس نے مقریزی کے ماخذ کے علاوہ ایک اور ذریعہ سے لکھا ہے۔ اگرچہ ہم صحیح تعداد معلوم کرنے سے قاصر ہیں تاہم کتابوں کی تعداد اس کتب خانہ میں ایک لاکھ بیس ہزار سے تو بہرحال زیادہ ہی ہوگی۔ کیونکہ عہد فاطمی میں بار بار لٹنے پٹنے کے باوجود بھی صلاح الدین نے فتح مصر کے وقت اپنے وزیر الفاضل کو ایک لاکھ بیس ہزار تک کتابیں دے دینے کے بعد جب بقیہ کتابوں کو نیلام کے ذریعہ، جو ہفتہ میں دو بار ہوا کرتا تھا، فروخت کرنا شروع کیا تو اسکو ایک سال کا عرصہ لگا[4]۔

ان بڑے اور عظیم الشان کتب خانوں کے تمام ذخائر سے واقفیت حاصل کرنے اور انکو استعمال کرنے کے لیے یہ سہولت بہم پہونچائی گئی تھی کہ چھوٹے چھوٹے رسائل یا بڑی بڑی ضخیم کتابوں کی صورت میں انکی فہرستیں تیار کی گئی تھیں۔ مثلاً قرطبہ[5]، رے[6]، بخارا[7] اور شیراز[8] کے کتب خانوں میں۔ ان کتب خانوں میں اضافہ یا تو اس طرح ہوتا تھا کہ کتابیں خریدی جاتی تھیں یا نقل کرا کر حاصل کی جاتی تھیں جسکے لیے خاص کاتب مقرر ہوتے تھے۔

---

[1] یہاں غالباً ۱۲۰۰ جلدیں مراد ہیں۔ یعنی اس ضخیم کتاب کے ۳۰ مکمل نسخے (مطبوعہ تاریخ طبری کی کل ۱۳ جلدیں ہیں جو اصل کتاب کا دسواں حصہ بھی نہیں۔ یہ گویا امام طبری کی تاریخ الکبیر کا خلاصہ ہے۔ گو یہ کہیں پتہ نہیں چلتا کہ اصل کتاب کتنی جلدوں میں تھی۔ نہیں معلوم نیٹو نے اس کتاب کی چالیس جلدیں کیسے معلوم کرلیں کہ ۱۲۰۰ جلدوں کے تیس نسخوں کے حساب سے چالیس جلدیں ہی ہوتی ہیں۔ سوائے تیس ہزار ورق کے کسی نے جلدوں کی تعداد نہیں بتائی۔ اختر) [2] مقریزی جلد اول صفحہ ۴۰۸ [3] صبح الاعشیٰ، جلد ۳ صفحہ ۵۰۴ [4] کتاب الروضتین لابی شامہ جلد اول صفحہ ۲۲۸ [5] ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۱۴۶، مقریزی جلد ۱ صفحہ ۲۵۴ (لیڈن صفحہ ۱۸۰) [6] ارشاد الاریب جلد ۲ صفحہ ۳۱۵ [7] لٹریری ہسٹری از نکلسن صفحہ ۲۶۶ [8] مقدسی صفحہ ۴۴۹۔ اسی بنا پر ڈاکٹر اسپرنگر کا یہ خیال تھا کہ ابن الندیم مصنف کتاب الفہرست نے کسی ایسی ہی کتب خانہ کی فہرست سے اپنی کتاب کے لیے مواد فراہم کیا ہے، خصوصاً یونانی، پہلوی اور ہندی تصانیف کے اقتباسات۔ مگر جب ہم اس کتاب پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں، خصوصاً ابتدائی حصوں پر، تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ فہرست نہیں ہے بلکہ ایک باقاعدہ تصانیف کی تاریخ ہے۔ اس کتاب کے متعلق مختلف آراء کے لیے

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

نئی کتابوں کو حاصل کرنے کے لیے ان کتبخانوں کے بانی (مالک) بڑی بڑی رقمیں خرچ کرتے رہتے تھے۔ اور جب کسی مشہور مصنف کی کتاب پہلے پہل کسی کے پاس پہونچ جاتی تو اُسپر فخر کیا جاتا تھا۔ اسی مقصد کے لیے اندلس کے خلیفہ الحکم[۵] اور طرابلس کے فرماں روا بنو عمار[۶] نے کتابوں کے ماہرین خصوصی اور تاجروں کو مقرر کیا تھا تاکہ وہ تمام بیرونی ممالک سے کتابیں بہم پہونچاتے رہیں۔ کبھی کبھی کتبخانوں کے بعض مالک یا مہتمم نیلام میں کتابیں خریدتے تھے۔ یہ طریقہ مشرقی ممالک میں عام طور پر مروج تھا۔ اور اسی ذریعہ سے اکثر شائقین کتب کتابیں حاصل کرتے تھے۔

کتابوں کو براہ راست خریدنے کے علاوہ جس کتاب کی ضرورت ہوتی اُسکی نقل کرائی جاتی تھی۔ اس کام کے لیے کتبخانوں میں خاص کاتب رکھے جاتے تھے، جنکے لیے اس کتبخانہ میں ایک علحدہ کمرہ مخصوص ہوتا تھا۔ ان کا طریقۂ کار بھی مختلف ہوتا تھا۔ چنانچہ بعض اوقات ایک کتاب کو صرف ایک کاتب لکھ کر تمام کردیتا، اور کبھی کئی کاتب مل کر لکھتے، تاکہ اصل کتاب کے متعدد نسخے تھوڑے وقت میں تیار ہوسکیں۔ طرابلس کے کتبخانہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اس میں ایک سو اسّی کاتب تھے، جن میں سے تیس رات اور دن لکھنے میں مشغول رہتے تھے[۷]۔ اسی طرح قاہرہ[۸] اور شیراز[۹] کے کتبخانوں میں بھی کاتب مقرر تھے مثلاً خلیفہ العزیز کے کتبخانہ میں مصر میں، الحکم اندلس میں[۱۰] اور مورخ واقدی[۱۱] (۲۰۷ھ/۸۲۳ء) کے (بغداد میں) اور ابو مطرف[۱۲] کے (اندلس میں)۔ خاص خاص لوگوں کا یہی طریقہ تھا کہ جب بعض اسباب کی بنا پر کوئی کتاب خریدی نہ جاسکتی تھی تو وہ اسی طریقہ سے اپنے کاتبوں سے لکھوا لیتے تھے۔

بڑے بڑے عام اور خاص کتبخانوں میں مہتمم اور دیگر ملازمین ہوا کرتے تھے جن میں سے

(حاشیہ سلسلۂ گذشتہ) دیکھو وان کریمر کی تمدن اسلام، براون کی تاریخ ادب ایران اور نکلسن کی تاریخ ادب عرب غالباً اسی قسم کی ایک فہرست کتبخانہ برلن میں نمبر ۲۱ - اور ۲۶ پر ہے۔ حاجی خلیفہ (۱۰۶۹ھ/۱۶۵۸ء) کی کشف الظنون البتہ ایسی ہی فہرست ہے گو وہ زمانۂ مابعد کی تصنیف ہے۔
[۵] مقری جلد اول صفحہ ۲۴۹، ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۱۴۶ [۶] ابن الفرات ورق ۳۸ مخطوطہ ویانا [۷] ابن الفرات ورق ۳۶ [۸] مقریزی ۱- صفحہ ۴۵۸ [۹] ارشاد الاریب ۵ صفحہ ۴۴۷ [۱۰] مقریزی ۱- صفحہ ۴۰۹ [۱۱] ابن خلدون ۴- صفحہ ۱۴۶ [۱۲] الفہرست صفحہ ۹۸ [۱۳] کتاب الصلہ ابن بشکوال جلد اول صفحہ ۳۰۴-۵

اکثر مشہور مصنف اور اہل علم ہوتے تھے۔ مورخ ابن مسکویہ (م ۴۲۱ھ) بغداد میں وزیر ابوالفضل
ابن عمید الرازی کے کتب خانہ کا مہتمم (لائبریرین) تھا، مورخ ابن الساعی (م ۶۷۴ھ)
بغداد کے کتب خانہ مستنصریہ کا ناظم تھا۔ بوعلی سینا بخارا میں سامانی فرماں روا نوح بن منصور کے
کتب خانہ کا مہتمم تھا۔ مشہور مصنف علی بن محمد الشابشتی (م ۳۸۹ھ) فاطمی خلیفہ العزیز کا
لائبریرین تھا۔

بڑے بڑے پبلک کتب خانوں میں ایک لائبریرین کا کام کرنا بہت دشوار ہوتا تھا اور اس لیے
اُسکو ایک یا اس سے زیادہ مددگاروں کی ضرورت پڑتی تھی۔ لائبریرین کا کام اگرچہ کتابوں
کی نگہداشت، اور اُنکی فہرستیں تیار کرنا ہوتا تھا، تاہم مزید براں عوام کو واقف کرنا، طلبہ کو
کتابیں دینا، اور استعارۂ کتب کی نگرانی کرنا بھی اُس کے فرائض میں داخل تھا۔ چونکہ یہ کام
بہت مشکل تھا اس لیے کتب خانہ کے عام ملازمین اسکو انجام نہیں دے سکتے تھے۔ اس عہدہ
کے لیے تعلیم یافتہ آدمی کی ضرورت تھی۔ البتہ معمولی نوکروں کے لیے حرف شناسی کافی تھی۔
ایک عجیب واقعہ ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ بغداد کے کتب خانہ دار العلم میں کاتبوں کو کتابیں دینے
کی خدمت پر ایک حبشی عورت مامور تھی، جسکا نام توفیق تھا۔

ظاہر ہے کہ ایک ایسے محکمہ کے انتظام پر کیا کچھ خرچ نہ ہوتا ہوگا، خصوصاً اس لیے
کہ تقریباً تمام کتب خانوں میں طلبہ اور شائقین کے لیے کاغذ، قلم اور سیاہی تک مہیا کیے

---

۱ تجارب الامم لابن مسکویہ جلد ۶ صفحہ ۲۵۴ ۲ "گمشتہ شہر" از وستنفیلڈ ۱۸۸۲ء
صفحہ ۱۱-۱۲ ۳ لٹریری ہسٹری از نکلسن ۲۶۵ ۴ ابن خلکان جلد اول صفحہ ۴۸۲
۵ ارشاد الاریب یاقوت ۶ - صفحہ ۳۵۸، صفدی ۲۶، ابن القفطی ۴۵۰، مقدسی ۴۴۹ - مقریزی
۱- صفحہ ۴۵۸ ۶ رسالۃ الغفران للمعری صفحہ ۲، (قاہرہ ۱۳۲۱ھ) صفحہ ۱۳۸ (قاہرہ ۱۳۲۳ھ)
اس کتب خانہ کا مہتمم ابو منصور محمد بن علی وہی ہے جسکو ابو العلاء المعری نے خط لکھا ہے (رسائل مرتبہ مرگلیوث ۱۹
اور جسکو مخاطب کرکے اُس نے اشعار کہے ہیں (سقط الزند - ۲ - صفحہ ۱۲۱ - غالباً یہ وہی شخص ہے
جس کا ذکر یاقوت (ارشاد ۶ صفحہ ۳۶۰) نے کیا ہے - مارگولیتھ نے خطوط کے صفحہ ۳۵۸
کے حاشیہ میں غلطی سے اس کو ابو منصور بن احمد بن طاہر سمجھ لیا ہے کہ وہ بھی دار العلم کا مہتمم تھا
جس نے ۴۱۹ھ میں ابو العلاء کے ساٹھ برس بعد وفات پائی -

کیے جاتے تھے۔[۹] الحاکم کے زمانہ میں قاہرہ کے کتبخانہ کی ضروریات کے لیے جو رقمیں مقرر تھیں اُنکے ملاحظہ سے معلوم ہوگا کہ اس کتبخانہ کے اخراجات کچھ کم نہ تھے[۱۰]

حصیر (چٹائی) عبادانی وغیرہ کے لیے	۱۰ دینار	کاتبوں کے لیے کاغذ	۹۰ دینار
لائبریرین کے لیے (غالباً تنخواہ)	۴۸ "	پانی بھروانے کی اُجرت کے لیے	۱۲ "
فراش کے لیے (تنخواہ)	۱۵ "	کاغذ قلم اور سیاہی کے لیے	۱۲ "
پردوں کی مرمت اور درستی کے لیے	۱ "	کتابوں اور شکستہ اوراق کی مرمت کے لیے	۱۲ "
نمدے کا فرش ایام سرما کے لیے[۱۱]	۵ "	دریاں ایام سرما کے لیے	۴ "

بڑے بڑے پبلک کتبخانوں میں تمام لوگوں کے لیے بلا امتیاز "صلائے عام تھی۔ چنانچہ تمام ماخذ اس پر بار بار زور دیتے اور لکھتے ہیں کہ ہر شخص جو پڑھا لکھا اور کسی فن کے مطالعہ کا شائق ہو اُسکو عام طور پر داخلہ کی اجازت تھی۔ چنانچہ طرابلس[۱۲]، قاہرہ[۱۳]، شیراز[۱۴] اور موصل[۱۵] کے کتبخانوں میں اسی طرح کی عام اجازت تھی۔ اصل ماخذ سے صاف طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ قرطبہ میں خلیفہ الحکم کے کتبخانہ میں بھی اس طرح کی اجازت تھی یا نہیں۔ عام اجازت کا صریح الفاظ میں تو کہیں ذکر نہیں ہے البتہ ایک واقعہ نگار کے ان الفاظ سے کہ کتابیں جمع کرنے والوں کے لیے الحکم بہت فیاض تھا[۱۶]" پایا جاتا ہے کہ یہ کتبخانہ عوام کے لیے بھی کھلا ہوا تھا۔ کیونکہ اگر خلیفہ نے پرائیوٹ طور پر ایک عمدہ کتبخانہ قائم کر لیا تو اس سے عوام کو کونسا فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ اور اگر بعض علماء کو وہاں داخلہ کی اجازت بھی ہو، جیسا کہ ربیرا[۱۷] کا خیال ہے، تو اس سے عوام کو

[۹] مقریزی ۱۔ صفحہ ۴۵۹ [۱۰] ایضاً [۱۱] لبود للفرش فی الشتاء کا ترجمہ "ایام سرما کے لیے بھاری اونی پردے" غلط کیا گیا ہے۔ آخرز۔ [۱۲] ابن الفرات۔ ورق ۴۳ قلمی [۱۳] مقریزی ۲ صفحہ ۴۵۸ [۱۴] مقدسی ۴۴۹ [۱۵] ارشاد ۲ صفحہ ۴۲۰ [۱۶] ابن خلدون ۴۔ صفحہ ۱۴۶ بحوالہ ابن حزم۔ مقری ۱ صفحہ ۱۰۴۔ ایضاً صفحہ ۲۵۶ طبع لیڈن۔ مقری کی اس عبارت کا مفہوم صحیح نہیں کے اصل الفاظ یہ ہیں " وکان حسن السیرۃ کریماً [illegible] جمع من الکتب [illegible]" یعنے الحکم نہایت خوش اخلاق تھے۔ اور لوگوں سے تواضع کے ساتھ ملتے تھے انھوں نے بیشمار کتب ہیں جمع کی تھیں۔
[۱۷] La ensenanza entre los Musulmanes P. 94

کوئی نسخہ نہیں پہونچا۔ اس سے تو غریب مدرس محمد ابن حزم ہی کی فیاضی عوام کے لیے بہت بڑھ کر تھی۔ کہ جو قرطبہ کے کئی علماء کو اپنے کتب خانہ میں عام طور پر اجازت دیتے تھے۔ علی بن یحییٰ المنجم اور کئی اور پرائیوٹ مالکان کتب خانہ کے لیے بھی یہی کہا جا سکتا ہے۔

علماء (اہل فن) اور طلبہ کی سہولت کے لیے ان پبلک کتب خانوں میں سے دور دراز مقامات تک کتابیں بھیجی جاتی تھیں۔ اسکے لیے کبھی کبھی کوئی رقم بھی ضمانۃً رکھوائی جاتی تھی۔ مثلاً مرو کا کتب خانہ الدمیریہ جہاں سے یاقوت نے ۲۰۰ کتابیں مستعار لی تھیں اور وہ کتب خانے جہاں اندلسی مورخ ابن حیان (م ۴۲۵ھ / ۱۰۳۳ء) کتابیں منگوایا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ جس کتاب کی مجھے ضرورت ہوتی تھی میں کسی کتب خانہ سے منگوا لیا کرتا تھا اور اگر کتابوں کو خریدنے کیلیے میں کسی سے کوئی کتاب مُعار لینا چاہتا تو کوئی شخص دینے والا نہ ملتا۔[۵]

لیکن تمام کتب خانوں کے مالک ایسے فیاض نہ تھے۔ بلکہ بعض لوگ تو اپنی کتابوں کو وقف کرتے وقت یہ قید بھی لگا دیا کرتے تھے کہ یہ کتابیں کہیں باہر نہ جانے پائیں جیسا کہ قاضی ابن حبان نیشاپوری نے کیا تھا۔[۶] اکثر کتابیں جو پڑھنے کے لیے دی جاتی تھیں پھر واپس نہیں آتی تھیں۔ چنانچہ حلب کے ایک شاعر الرباط کے یہ اشعار جو (۱۲۱۶ء) میں کہے گئے ہیں ایک جلے ہوئے دل کی صدا ہیں۔

"کسی کو کتاب نہ دو، بلکہ عذر کر لیا کرو۔ اگر دو تو اسکے لیے ضمانت لے لیا کرو کیونکہ یہی مناسب طریقہ ہے۔ اگر تم میرے کہنے پر توجہ نہ کروگے تو یقیناً تم اپنی کتابیں گم کر دوگے۔[۱]"

اسی طرح ابن الصارم (م ۹۶۲ھ / ۱۵۵۶ء) نامی کے اشعار ذیل ہیں:۔

"جو شخص میری کتاب لے کر پھر واپس نہیں کرتا، وہ شریف نہیں ہے بلکہ ایک رذیل اور دغاباز آدمی ہے۔[۲]"

۱۵۲

۵ دیکھو مضمون ہذا صفحہ ۶۔ ۵ وستنفیلڈ کا مضمون علماء شوافع پر مطبوعہ گوٹنگن اکادمی جلد ۳۰ (ابو حیان کا یہ قول الدرر الکامنہ میں اسکے تذکرہ میں پایا جاتا ہے۔ یہ کتاب حیدرآباد کے دائرۃ المعارف کی طرف سے عنقریب شائع ہونیوالی ہے۔ ک) ۶ وستنفیلڈ، گذشتہ شمارہ (تاریخ الکتاب) نمبر ۹-۳۰ ۷ گٹ وویل کا مضمون کتابیں واپس نہ دینے پر "عربی اشعار" مطبوعہ رسالہ اسلامیکا ج ۲- صفحہ ۵۶۱-۵۵۶ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

آخر کار کار اپنے مہتموں کی بے پروائی، حکومتوں کے انقلابات، اور فاتحین کے وحشیانہ طرز عمل کہ وہ مفتوح کی قائم کردہ ہر یادگار کو مٹا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ عجیب و غریب کتبخانے مدت دراز تک باقی نہ رہ سکے، اور رفتہ رفتہ نیست و نابود ہو گئے۔ عربی تاریخوں میں بار بار یہ ذکر آتا ہے کہ فلاں کتبخانہ تباہ و برباد ہوگیا اور فلاں کو فاتحین نے تاخت و تاراج کیا۔ ان کتبخانوں کی تباہی زیادہ تر آتش زنی سے عمل میں آئی ہے۔ چنانچہ بغداد میں سابور بن اردشیر کا کتبخانہ اسی طرح جل کر ختم ہوگیا۔ طغرل سلجوقی نے جب بغداد کو فتح کیا تو اسکے لشکریوں نے محلۂ کرخ میں آگ لگا دی۔ چنانچہ اسی میں یہ کتبخانہ بھی نذر آتش ہوگیا[1]

یہی حال بغداد کے اکثر کتبخانوں کا ہوا، جنھیں ہلاکو کی سرکردگی میں تاتاریوں نے جلا کر ایسا برباد کیا کہ انکا نام و نشان تک باقی نہ رہا[2]۔ اسی طرح غزنہ کا کتبخانہ ۵۵۵ھ/۱۱۶۰ء میں محاصرۂ غزنہ کے وقت سلطان حسین غوری کے فوجی سپاہیوں نے جلا دیا[3]۔ مرو کا کتبخانہ تاتاریوں نے ۶۰۶ھ/۱۲۰۹ء میں تباہ کردیا[4]۔ نیشاپور کا کتبخانہ غز ترکوں نے ۵۴۸ھ/۱۱۵۳ء میں جلا کر خاکستر کردیا[5]۔ سلطان محمود غزنوی نے سُنی المذہب ہونے کی وجہ سے رے کے کتبخانہ میں روافض اور اہل بدعت کی وہ تمام کتابیں جلا دیں جو مذہب اہل سنن کے خلاف تھیں[6]۔ بقیہ کتابیں بچ گئیں۔

شیراز کا عظیم الشان کتبخانہ بتدریج زوال پذیر ہوا۔ بانی کتبخانہ کے جانشین کے عہد میں وہ کس مپرسی کی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ ابن البواب (کاتب) نے اس کتبخانہ کی ابتری کی نسبت بہاء الدولہ سے شکایت کرتے ہوئے، مشہور کاتب ابن مقلہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے تیس پاروں میں سے ایک پارہ گم ہو جانے اور ان منتشر سپاروں کی تلاش و ترتیب میں ایک عرصہ درکار ہونے کا تذکرہ کیا ہے[7]۔

(بقیہ حاشیہ ص۲۹) (کتابیں مستعار لیکر واپس نہ دینے اور خائن لوگوں کے کتابیں چرا لینے کے موضوع پر ایک طویل مقالہ لکھا جا سکتا ہے۔ آیندہ کسی وقت ہم اس پر لکھیں گے۔ ک) [1] ابن الاثیر جلد ۹ صفحہ ۲۴۶ جلد ۱۰ صفحہ ۵۔ بنداری صفحہ ۱۸، صفدی صفحہ ۲۶۔ ارشاد الاریب از یاقوت، جس نے اسکا سنہ ۴۴۷ھ/۱۰۵۵ء بتایا ہے [2] قلقشندی ج ۱ صفحہ ۴۶۶ دیکھو میرا آرٹیکل مندرجہ بالا۔ ک) [3] ابن الاثیر ۹ صفحہ ۲۹۶ [4] معجم البلدان ۴ صفحہ ۵۰۹ [5] ابن الاثیر ۱۱ صفحہ ۱۲۰ [6] ارشاد ۲ صفحہ ۳۱۵ [7] ارشاد ۵ صفحہ ۴۴۶-۴۷-

طرابلس کے خاندان بنو عمار کا کتب خانہ بھی آتش زدگی سے محفوظ نہ رہ سکا اور اسکے غارتگر تاتاری یا اتراک نہ تھے بلکہ عیسائی تھے[1]۔ ۵۰۳ھ کی صلیبی لڑائی میں فرنگی سپاہیوں نے اس کتب خانہ میں آگ لگا دی۔ اس واقعہ کی نسبت مورخ ابن الفرات (۷۳۵ - ۸۰۷ھ) لکھتا ہے:-

وقال الشيخ يحيى بن ابي طي حميد النجار الغساني الحلبي ما صيغته: كان في طرابلس (دار العلم) ولم يكن في جميع البلاد مثلها كثرةً وحسناً وجودةً۔
وقال: حدثني ابي قال حدثني شيخ من اهل طرابلس قال: كنت مع فخر الملك بن عمار صاحب طرابلس وهو في شيزر[3] وقد وصله اخذ طرابلس فاغمي عليه وأفاق ودموعه مستبقة وقال: واانتداه ما اسفي على شيئ كاسفي على (دار العلم) فان فيها ثلاثة آلاف الف[4] كتاب كلها في علم الدين والقرآن والحديث والادب" وقال ان بها خمسون الف مصحف وان فيها عشرين الف تفسير لكتاب الله عز وجل - قال ابي وكانت هذه (دار العلم) من عجائب الدنيا وكان بنو عمار قد عنوا بها العناية العظيمة كان فيها مائة وثمانون ناسخاً ينسخ بالجراية والجامكية منهم ثلاثون نفساً لا يفارقونها ليلاً ونهاراً وكان لهم في جميع البلاد من يشترى

شیخ یحییٰ بن ابی طے حمید النجار غسانی حلبی کا بیان ہے کہ طرابلس میں ایک دار العلم (اکادمی) تھا۔ جس کی نظیر، اس کی کتابوں کی کثرت اور اُن کی خوبصورتی کے لحاظ سے دنیا میں نہیں ہے۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ مجھ سے طرابلس کے ایک بزرگ نے ذکر کیا کہ میں فخر الملک ابن عمار[2] والی طرابلس کے ساتھ شیزر میں تھا جبکہ اُسے فرنگیوں کے ہاتھ سے فتح ہو جانے کی اطلاع ملی تو اس پر غشی طاری ہو گئی اور جب افاقہ ہوا تو اُس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اُس نے مجھ سے کہا "بخدا! مجھے کسی چیز کا اتنا افسوس نہیں ہوا جتنا کہ اس دار العلم (کتب خانہ) کی تباہی کا۔ اس میں دینیات، قرآن و حدیث اور ادب سے متعلق تیس لاکھ کتابیں تھیں۔ جن میں سے صرف پچاس ہزار نسخے قرآن مجید کے اور بیس ہزار جلدیں تفاسیر کی تھیں۔" میرے والد مجھ سے بیان کرتے تھے کہ یہ دار العلم دنیا کے عجائبات میں سے تھا، اور بنو عمار نے اس پر پوری

[1] دیکھو ہنری لامنس کا مضمون۔ الصلیبیون ومکتبات طرابلس الشام۔ رسالہ المشرق ۱۹۲۲ء صفحہ ۱۰۷-
[2] ابو طالب ابن عمار قاضی طرابلس جو ۴۶۴ھ میں وہاں کے حاکم بن گئے تھے۔ اُنکے بعد اُنکا بیٹا فخر الملک اُن کا جانشین ہوا۔ تاریخ ابن القلانسی (طبع آمدروز لیڈن ۱۹۰۸ء) صفحہ ۹۰
[3] قلعہ شیزر حماۃ کے قریب واقع ہے جہاں صلیبیوں کے حملۂ طرابلس کے وقت فخر الملک چلا گیا تھا۔ ابن القلانسی صفحہ ۱۶۴ ابن الاثیر ۱۰ صفحہ ۳۲۵
[4] غالباً یہ ثلاثۃ آلاف الف ہے۔ ایک الف کاتب کی زیادتی معلوم ہوتی ہے۔

لهم الكتب المنتخبة. وكانت طرابلس في ايام
بني عمار قد صارت جميعها دار علم وقصدها الفضلاء
من سائر الاقطار ونفقت على بني عمار سائر العلوم
وقصدهم الناس بها لاسيما علم الامامية فانهم
احبوه واحيوا اهله[۱]. قال: ولما دخل الفرنج
الى طرابلس وافتتحوها احرقوا (دار العلم) وكان
السبب في احراقهم لها ان بعض القسوس
لعنهم الله تعالى لما رأى تلك الكتب هالته و
اتفق انه وقع في خزانة المصاحف الكرام
فمد يده الى مجلد فاذا هو مصحف ثم الى آخر
فقرأه كذلك ثم الى آخر فوجده مصحفا حتى اعتبر
عشرين مجلدا فقال كل ما في هذه الدار هو
قرآن المسلمين فلذلك احرقها وتخلصت
الفرنج لعن الله من عني منهم و غل من بقي
منهم اشياء من الكتب وهي التي خرجت
الى بلاد المسلمين[۳]۔

توجہ مبذول کی تھی۔ اس میں ۱۸۰ کاتب اجرت پر کام کرتے
تھے جن میں سے ۳۰ کاتب شب و روز کتابت کے لیے
حاضر رہا کرتے تھے۔ چیدہ کتابوں کی بہم رسانی کے لیے
تمام شہروں میں بنی عمار کی طرف سے ایجنٹ مقرر تھے
جو کتابیں خریدتے تھے۔ بنی عمار کے عہد میں طرابلس
تمام تر "دار العلم" (علم کا گھر) بن گیا تھا جہاں اطراف و
اکناف سے بڑے بڑے فضلا آتے تھے۔ انکے عہد میں تمام
علوم کو ترقی حاصل ہوئی، خصوصًا فرقۂ امامیہ کے علم کو کہ
بنی عمار اسکو اور اسکے جاننے والوں کو بہت پسند کرتے تھے
جب فرنگیوں نے طرابلس میں داخل ہو کر اسکو فتح کر لیا
تو اس کتبخانہ میں آگ لگا دی۔ اسکا سبب یہ ہوا
کہ راہبوں میں سے ایک شخص (اُن پر خدا کی لعنت
ہو!) اس کتبخانہ میں داخل ہوا اور ان کتابوں کو
دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ اتفاق سے وہ دار العلم کے اس کمرہ
میں داخل ہوا جہاں مصاحف کرام رکھے ہوئے تھے۔
اُس نے ایک نسخہ اُٹھا کر دیکھا تو قرآن مجید تھا۔ پھر
دوسرا نسخہ اُٹھایا، وہ بھی کتاب مجید ہی تھی۔ اسی طرح
اُس نے یکے بعد دیگرے بیس نسخے اُٹھا کر دیکھے اور سب کو
قرآن مجید پایا۔ تو بول اُٹھا کہ اس مکان میں جتنی کتابیں ہیں
سب کے سب مسلمانوں کے قرآن کی جلدیں ہیں[۲]۔ اس لیے

---

[۱] احبوہ و احیوا اہلہ کو مسٹر بٹلو نے غالبًا احبوا و احیوا اہلہ پڑھا ہے
اور اسی لیے اس کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ [۲] اس سے معلوم ہو گا کہ راہب مذکور
ابھی کتبخانہ کے اُس حصہ میں داخل نہ ہونے پایا تھا جہاں کتابیں فن وار مرتب کر کے رکھی ہوئی تھیں۔ [۳]
(ابن الفرات کی تاریخ کا یہ اقتباس مصر کے مجلۃ الزہراء جلد ۲ صفحہ ۱۱۲-۱۱۱ سے منقول ہے۔ اختصارًا ترجمہ جو متن
میں دیا گیا ہے بلاواسطہ اصلی قلمی نسخے سے کیا گیا۔ کاترمیر نے اپنی تاریخ مصر جلد ۲ صفحہ ۵۰۲-۵۰۶ (مستوفیۃ)

فرنگیوں نے اس (دار العلم) کو جلا دیا۔ خدا ان کے انگلوں پر لعنت کرے اور پچھلوں کو ذلیل و خوار کرے!! ان کتابوں میں سے تھوڑی کتابیں اپنے ساتھ لیتے گئے۔ یہ وہی کتابیں ہیں جو بلاد اسلامیہ میں پہونچ گئی ہیں۔

قاہرہ اور قرطبہ کے کتب خانے بھی ایسی ہی جانکنی کی حالت میں رفتہ رفتہ نیست و نابود ہو گئے۔ خلیفہ الحاکم فاطمی کی وفات کے وقت قاہرہ کے کتب خانہ کی حالت ابھی ٹھیک تھی۔ چنانچہ اسکے جانشین کے وزیر ابو القاسم علی بن احمد الجرجرائی نے ۴۳۵ھ (۱۰۴۳ء) میں اسکی نئی فہرست تیار کروائی اور جلدوں کی مرمت و اصلاح کرائی۔ مگر رفتہ رفتہ یہ کتب خانہ بھی زوال پذیر ہوتا گیا۔

(حاشیہ ص۳۲) میں اس عبارت کا ترجمہ دیا ہے مگر وہ فی الواقع آزادانہ ترجمہ ہے۔ زمانہ حال کے صلیبی معرکوں کے مورخ مثل مچاد (تاریخ جنگہائے صلیبی جلد ا صفحہ ۳۰۵ (فرنچ) اور تاریخ جنگ صلیبی چہارم ص۱۲۵) اور ولکن (تاریخ جنگہائے صلیبی جلد ۲ ص۲۱ (جرمنی) نے اسی ترجمہ کا تتبع کیا ہے۔ اس واقعہ کے متعلق عیسائی مورخوں (جنہوں نے چھوٹی سی چھوٹی جزئیات کو بھی نہیں چھوڑا) کی خاموشی نے بعض مصنفین کو (خصوصاً لامنس کو اپنے مضمون متذکرۂ بالا میں) ابن الفرات کے اس بیان کی نسبت متشکک بنا دیا ہے۔ کم از کم وہ اسکو کچھ مبالغہ سمجھتا ہے۔ اسکے خیال میں اس عرب مورخ نے کتب خانہ اسکندریہ کے احراق کے مقابلہ میں یہ واقعہ اختراع کیا ہے۔ واقعی اس واقعہ سے جہاں عربوں کا اپنے تمدنی ورثہ کی تباہی پر رنج و ملال ظاہر ہوتا ہے، وہاں صلیبیوں کے لیے یہ امر کوئی تعجب خیز نہ تھا۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کی تہذیب و تمدن ہی سے ناآشنا تھے یا وہ اس سے متنفر تھے۔ انھوں نے کتب خانہ طرابلس کی تاخت و تاراج کو ایسا ہی فعل سمجھا جیسا کہ عموماً ہر جگہ ہمیشہ ہوتا چلا آیا ہے اور اس لیے یہ بات قابل ذکر نہیں ہو سکتی۔ (یورپین) مورخ ہر اس بات کا انکار کر دیا کرتے ہیں جو انکے معتقدات کے خلاف ہو چنانچہ مستشرقین یورپ کی لکھی ہوئی تواریخ اسلام میں اسکی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ عدم العلم عدم الشی کو مستلزم نہیں ہے۔ اس لحاظ سے عیسائی مورخین کی خاموشی اس واقعہ کی صحت کے مخالف نہیں ہو سکتی۔ لیکن کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ان مورخوں نے دانستہ اس واقعہ سے اغماض کیا ہو جو انکے ہم مذہبوں کے وحشیانہ طرز عمل کو ظاہر کر رہا ہے؟ اس واقعہ کی ایک نظیر آخر اندلس میں بھی تو ظہور میں آئی تھی؟ اور عیسائیوں ہی کا ایک مقدس پیشوا کارڈینل زمینیز (ximenes) ہی تو تھا جس نے فتح اندلس کے وقت قرآن کریم کے متعدد نسخوں کو آگ میں جھونک دیا تھا۔ پھر اس واقعہ کو ہمارے مستشرقین کا بالکل معمولی سمجھ کر قابل ذکر نہ بتانا بھی "فن استشراق" کا ایک حیرت انگیز معجزہ ہے! (اختر) [illegible] تاریخ الحکماء للقفطی صفحہ ۴۴۰۔

خصوصاً خلیفہ المستنصر (۴۲۷ھ - ۴۸۷ھ / ۱۰۳۵ء - ۱۰۹۴ء) کے عہد میں اسکے زمانۂ حکومت میں قاہرہ میں ایک زبردست بغاوت واقع ہوئی - یعنی اس کی فوج کے حبشی سپاہی، مصری سپہ سالار ناصر الدولہ بن حمدان کی سرکردگی میں ترک سپاہیوں کے خلاف آمادہ پیکار ہو گئے - آخر ترکی وقتوں سے ناصر الدولہ نے ۴۶۱ھ (۱۰۶۸ء) میں باغیوں کو شکست دی، اور اپنے لیے اور اپنے فوجیوں کے لیے خلیفہ سے بہت بڑا معاوضہ (تاوان) طلب کیا - اسکے ساتھیوں میں وزیر ابو الفرج محمد بن جعفر المغربی بھی تھا - جس نے کارگزاری کے صلہ میں اتنی کتابیں حاصل کیں جو ۲۵ - اونٹوں پر لادی گئیں - اگرچہ اسکا مطالبہ صرف ۵۰۰۰ دینار کا تھا لیکن جو کتابیں کہ اس نے اپنے لیے منتخب کیں ان کی قیمت ایک لاکھ دینار سے زیادہ ہی تھی۔[1]

اسی سال ترکی افواج نے جو کثرت تعداد کی وجہ سے اور [illegible] ہو گئے تھے اور زبردست طاقت کو اپنے ہاتھ میں لے چکے تھے، ناصر الدولہ مذکور اور اسکے ساتھیوں کو قاہرہ سے نکال دیا اور کئی مکانات پر تاخت و تاراج شروع کی - ان میں قصر سلطانی کا کتب خانہ بھی تھا جو انکی غارتگری سے محفوظ نہ رہ سکا - مگر قصر کے "داخلی کتب خانہ" (خزائن القصر الداخلہ) میں جو کتابیں تھیں وہ اس وجہ سے محفوظ رہ گئیں کہ اس کتب خانہ میں داخل ہونے کا ایک پوشیدہ اور مخفی راستہ تھا[2] - بقیہ کتابیں اسکندریہ کے ایک گورنر کے ہاتھ لگ گئیں، جسکا نام نہیں معلوم ہو سکا - اور جب یہ کتابیں پھر قاہرہ بھیجی گئیں تو حبشی غلاموں نے انھیں لوٹ لیا چپل بنانے کے لیے انکی (چرمی) جلدیں پھاڑ ڈالیں، اوراق جلا دیے اور اسکی وجہ یہ بتائی کہ یہ کتابیں قصر سلطانی سے آئی تھیں اور [illegible] انکے عقائد کے خلاف تھیں[3] - بقیہ کتابیں پھینک دی گئیں، انکے اجزا منتشر کر کے اڑا دیے گئے اور ان کا جو حصہ جلایا نہ گیا تھا وہ خاک میں مل کر ایک بڑا تودہ ہو گیا جو تلال الکتب (تودۂ کتب) کے نام سے مشہور ٹیلوں کے قریب آج بھی موجود ہے۔[4]

خلفائے فاطمیہ کے کتب خانوں کی تباہی کی داستان یہیں نہیں ختم ہو جاتی بلکہ ۵۶۷ھ (۱۱۷۱ء) میں جب صلاح الدین نے مصر کو فتح کیا تو اس نے بھی انکی شکست و ریخت میں حصہ لیا - اور جیسا کہ

[1] مقریزی جلد ۱ صفحہ ۴۰۸-۹ [2] ایضاً [3] عام طور پر معلوم ہے کہ خلفاء فاطمیہ شیعہ تھے مگر مصر کے اکثر باشندے سنی المذہب تھے - یہ حبشی غلام بھی انھیں سنیوں میں سے تھے - [4] لفظ تلال الکتب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پاپیروس (قافیر) کے ڈھیر تھے - جو عربی کتابوں کے اوراق نہیں بلکہ قدیم مصری قافیر (کوم) تھے جن میں آج بھی طلبۂ علم کی دلچسپی کا مواد موجود ہے -

اوپر بیان ہو چکا، اس نے اپنے وزیر قاضی الفاضل عبدالرحیم بن علی کو ایک لاکھ کتابیں دے ڈالیں
اور بقیہ نیلام کرا دیں - یہ نیلام ہفتہ میں دو بار ہوتا تھا، اور برسوں تک ہوتا رہا - کیونکہ ۵۷۲ھ / ۱۱۷۶ء
میں صلاح الدین کا کاتب (سکرٹری) مورخ عماد الدین اصفہانی بھی ان کتابوں کے خریداروں میں
تھا - اگرچہ صلاح الدین کے علم سے کتابوں کی قیمت اس سے نہ بیچاتی تھی۔

قرطبہ کے کتبخانہ کا بھی ایسا ہی دردناک حشر ہوا - کمزور خلیفہ ہشام ثانی کے عہد میں جبکہ حکومت
کی باگ وزیر منصور بن عامر کے ہاتھ میں تھی - اس نے فلسفہ علم کلام وغیرہ کی تمام کتابیں نکلوا کر کچھ
جلوا دیں اور کچھ قصر شاہی کے کنوؤں میں پھینکوا دیں - جہاں وہ خاک اور پتھروں سے
پاٹ دی گئیں۔ چند برسوں کے بعد جبکہ پانچویں صدی میں قرطبہ پر بربری افواج حملہ آور ہوئیں
وزیر الواضح (منصور کے پروردہ) نے اس بقیہ کتبخانہ کا ایک حصہ فروخت کر ڈالا اور بقیہ
حصہ فاتحین نے تباہ و برباد کر ڈالا - اسکے بعد بھی کچھ کتابیں بچ رہی تھیں وہ طلیطلہ لائی
گئیں اور غالباً بنو ذوالنون کے خوشنما کتبخانہ کی زینت ہوئیں - یہ وہ زمانہ تھا جبکہ خلیفہ ہشام
ثالث کی وفات کے وقت ملک اندلس چھوٹے چھوٹے ملوک الطوائف میں تقسیم ہو چکا تھا -

ساتویں صدی ہجری جہاں آزادی خلافت کے لیے مہلک ثابت ہوئی وہاں وہ عربی
تمدن اور اسلامی کتبخانوں کے لیے بھی کچھ کم تباہ کن نہ تھی - رفتہ رفتہ اس وسیع اسلامی سلطنت
پر، جو فرماں رواؤں کی مسلسل خانہ جنگیوں کی وجہ سے بہت کمزور اور انحطاط پذیر ہو چکی تھی، دو
قومیں یعنی تاتاری اور مغرب کی عیسائی قومیں حملہ آور ہوئیں جو اگرچہ مذہب اور تمدن میں
ان سے بالکل مختلف تھیں، تاہم وہ ان تمام چیزوں کو مٹا دینے پر تلی ہوئی تھیں
جو انکے حریفوں کو بہت عزیز تھیں۔

---

۱ مقریزی ۱ - صفحہ ۴۰۹، ابن خلدون ۴، صفحہ ۸ - اس بیان کے خلاف ابو شامہ صاحب روضتین
(جلد ۱ صفحہ ۲۰۰) کا بیان ہے جو لکھتا ہے کہ صلاح الدین نے قاضی الفاضل کو کتابوں کے انتخاب
اور فروخت کے کام پر نگراں مقرر کیا تھا - وہ قیمتی کتابوں کی جلدیں
نکال نکال کر ان کو ایک گڑھے میں جمع کرتے تھے - تاکہ کتابوں کی
ختم ہونے کے بعد انکو معمولی قیمت پر بیچ دیں جو بالکل نکمی اور ناقص تھیں ۲ الروضتین صفحہ ۲۲۸ ۳
بیان المغرب لابن العذاری جلد ۲ صفحہ ۳۱۴-۳۱۵ ۴ طبقات الامم صفحہ ۶۶ (حیدرآباد اردو ترجمہ ص ۱۱۵)
۵ ابن خلدون ۴ صفحہ ۱۴۶، مقری ۱ صفحہ ۱۸۰ (جلد ۱ صفحہ ۲۴۹ - ۵ لیڈن) ۶ دیبرا کی کتاب

لیکن جبکہ اندلس کے عیسائی ایک طرف مسلمانوں کو نکال کر عربی تمدن کے بجائے اپنا
تمدن قائم کرنا چاہتے تھے (گو وہ خود بڑی حد تک عربی تمدن سے متأثر ہو چکے تھے) تو دوسری
طرف مغلوں نے، جو بہت کم مہذب تھے، مذہب اسلام قبول کر لیا، اور رفتہ رفتہ ان لوگوں
میں بھی مذہب اسلام نے کتابوں کا شوق پیدا کر دیا۔ خاندان مغلیہ نے جو ہندوستان میں قائم
ہوا، سب سے پہلے "غذائے دماغی" کی ضرورت محسوس کی: تمام علوم و فنون کو ترقی دی،
اور انکی محافظت کی۔ چنانچہ انکے عہد حکومت میں کتب خانے قائم ہوئے، جن میں عربوں کے
عظیم الشان تمدنی ورثہ کے "باقیات الصالحات" جمع کیے گئے تھے۔ انکے بعد عثمانلی
ترکوں نے بھی اپنے پایۂ تخت قسطنطنیہ میں خاصکر سولھویں اور سترھویں صدی میں بڑے
بڑے کتب خانے جمع کیے جن میں سے اکثر مساجد کے ساتھ وابستہ تھے۔ اور سب سے عظیم [illegible]
اور نادر کتب خانہ خود سلاطین ترک کے موروثی املاک سے تیار ہوا تھا۔ بہرحال، زیادہ تر
انیسویں اور بیسویں صدی میں اقوام مغلوبہ میں حب وطن، حریت اور اپنی تہذیب و تمدن کے
مقدس اور ناقابل سپرد ورثہ کی حفاظت کے جذبات پیدا ہوگئے، اور ان ہی جذبات نے
اسلامی شرق (بلاد شرقیہ اسلامیہ) کو بھی خواب غفلت سے بیدار کر دیا ہے۔ چنانچہ یورپ
کے تتبع میں تہذیب و تمدن کے تمام مظاہر زندہ اور قائم کیے گئے ہیں۔ انکے ساتھ ہی کتب خانوں
کا احیاء بھی ہوا ہے۔ بلاد اسلامیہ میں اسوقت جو کتب خانے موجود ہیں وہ اگرچہ انکے شاندار
ماضی کے احیاء کی طرف بہت معمولی کوشش ہے تاہم اس سے اسلامی تہذیب کے نشاۃ
الثانیہ اور اپنے خزائن تہذیب کو باقاعدہ ترتیب دینے کا میلان صاف نمایاں ہو رہا ہے
مصر نے جو یورپ سے قریبی تعلق رکھتا ہے سب سے پہلے یورپین طرز پر کتب خانے قائم کرنے کی
ضرورت محسوس کی اور وہاں کا کتب خانۂ خدیویہ جو اب "کتب خانہ القومیہ" بن گیا ہے، اس کو سب
سے پہلے جرمنی مستشرق اسٹیپابک، وولرز، اور مورٹز نے ترتیب دیا تھا[1] اس کتب خانہ میں کئی
قیمتی مخطوطات ہیں جو پہلے مصر کی مختلف جامع مسجدوں میں منتشر تھیں، اور جنھیں موجودہ طرز پر [illegible]

---

[1] شاید ہے کہ مسٹر [illegible] نے کتابوں کے شوق پیدا کرنے کا محرک اسلام کو ٹھیرایا! مسٹر[2] اطالوی مستشرق
گریفینی کو سنہ ۱۹۲۰ء میں کتب خانۂ خدیویہ کی تنظیم و ترتیب سپرد کی گئی تھی۔ لیکن مئی سنہ ۱۹۲۵ء میں انکی وفات کے
کے باعث وہ کام پورا نہ ہوگا (اسوقت سے پروفیسر [illegible] اس کام کو انجام دے رہے ہیں اور جہاں تک
مجھے معلوم ہے وہ اب تک کام میں مصروف ہے۔ ک)

طرح مرتب کیا گیا ہے کہ تمام اقوام کے لوگ ان سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

کتبخانہ مذکورہ کے ناظم اول اینتیا کے زمانہ سے اس کتبخانہ میں تعلیم یافتہ کاتبوں کا ایک خاص اسٹاف موجود تھا جو اہل علم اور محققین کی خواہش پر انکے لیے ان مخطوطات کی صحیح نقلیں مہیا کرتے تھے۔ فی الحال اس کتبخانہ میں فوٹوگرافی سے کتابیں نقل کرانے کا طریقہ داخل کیا گیا ہے۔

اس کتبخانہ کے علاوہ مصر اُن ذاتی کتبخانوں کے وجود پر بھی نازاں ہے جن میں بیش بہا مخطوطات موجود ہیں۔ ان میں سے کتبخانۂ تیموریہ[1] بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اسکے مالک امیر احمد تیمور پاشا مصر کے زبردست فضلائے عصر میں سے ہیں۔

قسطنطنیہ بھی اس تحریک میں پیچھے نہیں رہا۔ کیونکہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اس شہر میں سولھویں اور سترہویں صدی میں کئی کتبخانے تھے جن کی کتابیں متعدد مدارس اور جوامع میں بکھر کر منتشر ہو گئی ہیں۔ ان تمام کتابوں کی ایک فہرست چالیس[؟] جلدوں میں تیار کی گئی ہے۔ گو ابھی اس فہرست میں بہت کچھ اصلاح و اضافہ کی گنجائش ہے۔ طلبہ علم کے لیے کوپرولو، ینی جامع، توپ قپوسرای، حمیدیہ وغیرہ کتبخانے کتابوں کی قیمتی کانیں ہیں جن میں بعض بعض نہایت اہم اور بیش بہا عربی کتابیں دستیاب ہوتی ہیں۔ یہ امر یقینی ہے کہ حکومت جمہوریۂ ترکی ان خزانوں کی حفاظت کرنے کو اپنا فرض سمجھے گی اور پہلے کی بہ نسبت یورپ کے طلبہ کو ان سے زیادہ استفادہ کا موقع دیگی۔

پچھلے چند برسوں میں شام میں مغربی اثرات بکثرت وارد و سائر رہے ہیں۔ چنانچہ بیروت میں علاوہ اور کتبخانوں کے آبائے الیسوعیین کی سامی جمیلہ سے، جو سینٹ جوزف یونیورسٹی کو چلا رہے ہیں قلمی کتابوں کا ایک اہم اور نادر ذخیرہ فراہم ہو گیا ہے۔ اسی طرح دمشق میں، جہاں کے دور اندیش اور بالغ نظر گورنر مدحت پاشا نے تقریباً ۱۸۸۰ء میں سب سے پہلے اس تحریک کو

[1] دیکھو [illegible] کا مضمون "الخزانۃ التیموریہ" مجلۃ المجمع العلمی العربی میں جلد ۳ صفحہ ۲۲۵ (احمد تیمور پاشا نہایت فیاضی سے طلبہ کو اپنے بے نظیر کتبخانہ سے استفادہ کرنے کی اجازت دیتے ہیں، بلکہ فوٹو سے نقل لینے تک کے روادار ہیں۔ اسی قسم کا ایک کتبخانہ غیرہ میں احمد زکی پاشا کا ہے جو قسطنطنیہ کے کتبخانہ سے آئی ہوئی نادر مخطوطات کی عکسی نقلوں سے مالامال ہے اور اس کا فیاض مالک بھی اپنے اس بیش بہا خزانہ کے استعمال کے لیے "صلائے عام" دیتا ہے۔ ک)

ترقی دی تھی، کئی کتبخانے معرض وجود میں آچکے ہیں۔

عراق کے پایۂ تخت اور قدیم دار الخلافہ بغداد کے کتبخانے بھی پچھلے پچاس سال سے بہت افسوسناک حالت تنزل و انحطاط کو پہونچ گئے ہیں جسکی ابتداء سولھویں اور سترہویں صدیوں سے ہو چکی ہے۔ سیلابوں، وباؤں، اور آخر میں (گو رتبہ میں کم نہیں) یورپینوں کے ہاتھ مخطوطات کے فروخت ہو جانے سے تمام قلمی نوادرات ادھر اُدھر بکھر گئے ہیں۔ سنہ ۱۹۰۹ء تک مساجد کے ساتھ کتبخانوں کا وجود پایا جاتا تھا جن میں سب سے اہم کتبخانہ شیخ عبد القادر جیلانی (قدس اللہ سرہٗ) کا تھا۔ آجکل تامتر فاضل کرملی الاب[1] انستاس کی سعی و کوشش کی بدولت اور اسکے زیر نگرانی بغداد میں ایک نہایت اہم تحریک علمی شروع ہو گئی ہے۔ فاضل موصوف عربی کا زبردست عالم اور نوادر خطیات کا مالک ہے۔ جزیرہ نمائے عرب کے اندرونی حصہ میں بڑے بڑے شہروں مثل مکہ، مدینہ، کے کتبخانے[2] بہت غیر مشہور ہیں، مگر یقیناً ان میں بہت قیمتی اور نایاب قلمی کتابیں موجود ہیں جیسا کہ فاضل علامہ شیخ الشنقیطی وغیرہ کے ان منقولہ نسخوں سے معلوم ہوتا ہے جو انھوں نے کاؤنٹ لینڈبرگ کے لیے وہاں سے نقل کیے تھے۔

اور ذخائر کتب یمن میں موجود ہیں، خصوصاً شہر صنعاء میں جہاں لوبیارڈی کے تاجر کپروٹی (Caprotti) نے رفتہ رفتہ یمنی خطیات کی ایک تعداد کثیر حاصل کر لی ہے۔ جو ایک بڑے ذخیرہ کی صورت میں میلان (روما) کے کتبخانۂ امبروسانیہ (شاہی) میں محفوظ ہیں۔ پروفیسر گریفینی نے اسکی ایک فہرست مرتب کی تھی مگر اسکی قبل از وقت موت کی وجہ سے وہ ناتمام رہ گئی۔ یمن سے آئے ہوئے اور چھوٹے چھوٹے ذخیرے برلن اور متحف برطانی (برٹش میوزیم لندن) کے کتبخانوں میں موجود ہیں۔ یمن اور اٹلی کے خوشگوار تعلقات سے یہ امید بندھتی ہے کہ وہ دن دور نہیں جبکہ عربی دنیا کا یہ دور ترین حصہ بھی علمی حیثیت سے چھان ڈالا جائیگا۔

فرانسیسی حکومت کے زیر اثر ٹونس، الجیریا، اور مراکش میں بھی کتبخانے قائم ہو چکے ہیں جہاں آئے دن نت نئی کتابوں کی بھرتی ہوتی رہتی ہے۔ اسوقت مندرجہ ذیل

---

[1] فادر کرملی عربی لغات وادب کا زبردست ماہر ہے۔ مجلۃ لغۃ العرب اسی کی ادارت میں بغداد سے نکلتا ہے جو اسکی لغوی اور ادبی تحقیقات کا مرکز اشاعت ہے۔ اختر

[2] دیکھو علامہ سید سلیمان ندوی کا مضمون "حجاز کے کتبخانے" مطبوعہ معارف بابت اکتوبر، نومبر، دسمبر سنہ ۱۹۲۶ء۔ اختر

کتبخانے اپنے قیمتی ذخائر کی وجہ سے بہت مشہور ہیں:۔
(۱) کتبخانۂ جامع زیتونیہ تونس میں۔
(۲) مدرسۂ تلمسان کا کتب خانہ۔
(۳) رباط مراکش کا کتب خانہ۔
آخر الذکر کی ایک فہرست حال ہی میں شائع ہو چکی ہے۔

ہندوستان نے بھی اُن کثیر التعداد قلمی ذخیروں کے ساتھ جو اُسکے بڑے بڑے شہروں مدراس، بمبئی اور صوبجات بنگال اور پنجاب میں موجود ہیں، انگلستان کی معاونت سے نہایت فخر کے ساتھ اس تمدنی تحریک کو جاری رکھا ہے جس کی ابتداء خاندان مغلیہ نے سولھویں اور سترھویں صدی میں کی تھی۔[۱]

مگر اسوقت مشرق میں قلمی کتابوں کی حفاظت کے لیے جو کچھ کیا گیا ہے وہ کسی طرح کافی نہیں ہے۔ اب بھی بے شمار جواہر پارے بکھرے ہوئے پڑے ہیں جن میں سے کچھ تو خانگی اشخاص کے ہاتھوں میں ہیں جو خود انکی قیمتوں سے ناواقف ہیں، اور کچھ چھوٹے چھوٹے مدارس اور مسجدوں میں جمع ہیں جہاں وہ ایسی طرح مدفون ہیں کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہیں نہیں ہوتی۔ نہ صرف انکو اس تاریکی سے نکال کر مصائب زمانہ سے محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے اور نہ بڑے بڑے معاہد میں انکو داخل کرا دینے کی، بلکہ انکی باقاعدہ اور علمی اصول پر نہایت صحت کے ساتھ فہرستیں تیار کرنے اور بوقت حاجت انکی نقلیں بذریعہ فوٹوگرافی لینے کی ضرورت ہے۔

---

[۱] ایل۔ بویٹا کا مضمون "مجالس علمیہ، مطبوعات سرکاری اور ہندوستان کی کتابوں" پر مطبوعہ ریویو دو موندے مسلمان جلد ۴ صفحہ ۵۹۹۔ (مصنف نے ہندوستان کے عام کتب خانوں میں عربی مخطوطات کے ذخیروں کی نسبت تفصیل سے نہیں لکھا۔ ہندوستان میں وہ وہ نایاب خزانے ہیں جن کی تلاش مغرب کے کتب خانوں میں کرنا فضول ہے۔ اگرچہ خوش قسمتی سے رفتہ رفتہ باقاعدہ فہرستوں کی اشاعت کے ذریعہ اہل علم ان خزانوں سے واقف ہوتے جا رہے ہیں، تاہم ابھی کئی خزانے اس ملک میں نامعلوم طور پر پڑے ہوئے ہیں۔ انڈیا آفس کے کتبخانہ میں وہ تین ہزار عربی مخطوطات پڑے ہوئے ہیں جو کبھی دہلی کے کتبخانہ شاہی کا ایک جزو تھے۔ ان کی فہرست اب تک نہیں بنائی گئی۔ اسی طرح کتبخانہ برلین اور متحف برطانی کے کتب خانوں میں کثیر التعداد مخطوطات کے نہایت اہم اضافے ہوئے ہیں ان میں سے ایک ہزار کتابوں کی فہرست نہیں تیار کی گئی۔ ک)

تاکہ دنیا کے اور حصوں میں بھی لوگ ان کے مطالعہ سے بہرہ اندوز ہو سکیں - اس مقصد کے لیے مغرب کے مستشرقین اور مشرق کے علما و فضلاء کو چاہیے کہ وہ باہم متفق ہو جائیں اور مل جل کر کام کریں چنانچہ اول الذکر اگر اپنے طرق علمیہ (سائنٹفک) کو کام میں لائیں تو موخر الذکر اپنے ملک کی تمدنی روایات سے متعلق اپنی واقفیت اور عربی زبان کے صحیح تبحر علمی کو اس میں لگا دیں تاکہ عربی تہذیب اور تمدن کا مطالعہ جو پچھلے دنوں بہت کچھ ترقی یافتہ نظر آتا ہے، نہایت کامیاب اور بڑے زوروں سے جاری رہے -